راہِ معرفت

حماسۂ حسینی

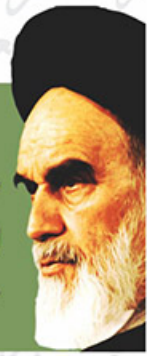

المہدیؑ ادارہ تربیت اسلامی
آئی ایس او پاکستان

شہید مطہری اپنی پوری عمر اسلامِ عزیز کے مقدس اہداف کے حصول کی جدو جہد میں مصروف رہے، بے راہ رویوں اور انحرافات کے خلاف جانفشانی سے نبرد آزما ہوئے، شہید مطہری دین اسلام اور اس کے مختلف علوم میں تبحر اور قرآن حکیم کے حقائق و غوامض کی بصیرت و معرفت میں اپنی مثال آپ تھے، شہید مطہری میری عمر کا حاصل تھے۔

امام خمینیؒ

شہید مطہری انقلاب اسلامی کا فکری ستون ہیں اور انقلاب کی کامیابی بلکہ اس کو وجود میں لانے میں شہید مطہری کا بہت بڑا کردار رہا ہے اگر آج بھی آپ اسلام کے ترجمان بننا چاہیں اور دینی معارف کو سمجھنا چاہیں تو لازمی ہے کہ کم از کم ایک بار اُستاد مطہری کے تمام آثار اور کتب کا مطالعہ کریں۔

رہبر معظم سید علی خامنہ ای

المہدیؑ ادارۂ تربیت اسلامی
آئی ایس او پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللہ (ص): ان الحسین مصباح الھدیٰ و سفینۃ النجاۃ
حسینؑ ہدایت کا چراغ اور نجات کی کشتی ہے۔ (صراط مستقیم ج ۲ ص ۱۶۱)

حسین علیہ السلام ایک ایسا چراغ ہدایت ہے جو گمراہی کی تاریکی اور حق و باطل کی آمیزش کے دھندلکے میں ہدایت کے راستے کو روز روشن کی طرح عیاں کرتا ہے تاکہ ہر چشم بینا گوش شنوا اور بیدار ضمیر رکھنے والے انسان کے لئے اتمام حجت ہو سکے۔ حسینؑ ہر اس ملت اور قوم کے لئے کشتی نجات ہے جو ذلت کے پر تلاطم سمندر میں غرق ہو کر نابودی کے دہانے پر ہو۔ حسینؑ اسلام کی عزت اور دشمنان دین کی ذلت کا باعث ہے، حسینؑ رسالت کا آئینہ دار اور شمع رسالت کا محافظ ہے۔ حسینؑ اقدار الٰہی کا احیاء کنندہ اور باطل کے ایوانوں کو لرزہ براندام کرنے والی ہستی ہے۔

حسینؑ ایک انسان ساز یونیورسٹی ہے جو تا ابد آزاد انسانوں کی تربیت کرتی رہے گی جو یزیدیت کے مقابلے میں بیعت کو ٹھکرا کر قد علم بلند کرتے رہیں گے اور یزیدیت کو ہر محاذ پر شکست دیتے رہیں گے۔ شہید مطہریؒ نے کربلا اور امام حسینؑ سے متعلق بہت سے پہلوؤں کو ذرا مختلف انداز سے کھولا ہے جو صاحبان عقل خرد کے لئے راہنما اصول ہیں۔ موجودہ کتابچہ انہیں کی چند تقاریر پر مشتمل ہے جو نوجوان نسل کے لئے کربلا شناسی کا بہترین منبع ہے۔

امام خمینیؒ نے اس عظیم فیلسوف اور عارف کے بارے میں فرمایا کہ: **"شہید مطہریؒ مجموعی طور پر اسلام و قرآن اور مختلف اسلامی علوم و فنون میں مہارت رکھنے والے اپنی نوعیت کی ممتاز شخصیت تھے۔ ان کی تمام تحریریں اور خطبات بغیر کسی استثناء کے آسان اور تعلیم و تربیت کرنے والی ہیں۔"**

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: **"دانشوروں اور یونیورسٹی کے طلباء کو چاہیے کہ وہ شہید مرتضیٰ**

مطہریؒ کی کتب پڑھنا ترک نہ کریں تا کہ اسلام دشمن سازشیں کامیاب نہ ہوں۔"

اسی طرح رہبر انقلاب اسلامی سید علی خامنہ ای (حفظہ اللہ) شہید مطہریؒ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"شہید مطہریؒ اسلامی جمہوریہ ایران کے فکری نظام کے بانی ہیں اور شہید مطہریؒ کا فکری راستہ ہی اسلام کے ان اصلی افکار کا بنیادی لائحہ عمل ہے جو دشمن قوتوں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہے۔ بلاشبہ ایسا لائحہ عمل جو فکری اعتبار سے انقلاب کی حفاظت کرسکتا ہے۔ میری تاکید ہے کہ شہید کے آثار کو نظر انداز نہ کیا جائے ،ان کی کتابوں کو اپنے بحث ومباحثہ اور تبادلۂ خیال کا محور بنائیں اور انہیں صحیح انداز میں خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھائیں۔"

راہ معرفت کے نام سے شائع کیے جانے والے اس سلسلے کا ہدف یونیورسٹیز کے نوجوانوں اور معاشرے کے تعلیم یافتہ افراد تک اس اسلامی لائحہ عمل کو پہنچانا ہے تا کہ وہ اسلام ناب محمدیؐ کی حقیقی فکر اور قرآن وعترت کے مبانی سے آگاہی حاصل کر کے اپنی زندگیوں کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالیں اور معاشرہ میں اسلام شناس کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کرسکیں۔

انشاءاللہ مختلف موضوعات پر مشتمل کتابچوں کا یہ سلسلۂ "راہ معرفت" جاری رہے گا۔ ہم خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا گو ہیں کہ رب العزت ہم سب کو اس کاوش سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)۔

المہدیؑ ادارہ تربیت اسلامی
آئی ایس او پاکستان

حماسۂ حسینی

اہداف:

۱۔ حماسہ کے مفہوم سے آشنائی۔

۲۔ حسینی تحریک میں حماسی پہلو کی شناخت۔

۳۔ اس چیز کو سمجھنا کہ حسینی تحریک ہمیں کس طرح عزت و عظمت و سربلندی کا درس دیتی ہے۔

۴۔ کلام امام حسین علیہ السلام سے آپ کی حماسی شخصیت کی عظمت و بزرگی کو سمجھنا۔

۵۔ حسینی تحریک میں پنہاں اسلامی معاشرے کی عظمت و بزرگی کے رہنما اصولوں سے آشنائی۔

۶۔ ایک مقدس حماسہ میں موجود خصوصیات کی شناخت

کربلا کے حادثے کے دو رُخ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالیمین باری الخلائق اجمعین ،الصلاۃ والسلام علی عبداللہ و رسولہ و حبیبہ و صفیہ سیدنا و نبینا و مولانا ابی القاسم محمد و آلہ الطیبین الطاھرین المعصومین۔ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

"یَاقَوْمِ إِنْ کَانَ کَبُرَ عَلَیْکُمْ مَقَامِی وَتَذْکِیرِی بِآیَاتِ اللہِ فَعَلَی اللہِ تَوَکَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَکُمْ وَشُرَکَائَکُمْ ثُمَّ لَایَکُنْ أَمْرُکُمْ عَلَیْکُمْ غُمَّۃً ثُمَّ اقْضُوا إِلَیَّ وَلَاتُنْظِرُونِ"

"ترجمہ: (نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا) اے قوم! اگر تمہارے لیے میرا قیام اور آیات الٰہی کا یاد دلانا سخت ہے تو میرا اعتماد اللہ پر ہے، تم بھی اپنا ارادہ پختہ کرلو اور مشرکوں کو بلا لو اور تمہاری کوئی بات تمہارے اوپر مخفی نہ رہے اور پھر جو جی چاہے کر گزرو اور مجھے کسی طرح کی مہلت نہ دو۔" (یونس: ۷۱)

ہماری گفتگو کا موضوع حسینی حماسہ ہے۔ ہم سب سے پہلے لفظ حماسہ کی جو فارسی زبان میں زیادہ استعمال ہوتا ہے آپ کی خاطر وضاحت کر دیں۔

لفظ حماسہ کے معنی شدت اور سختی کے ہیں، کبھی یہ لفظ شجاعت اور حمیت کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ شعر حماسی وہ شعر ہوتا ہے جس سے غیرت، شجاعت اور مردانگی کی بو آتی ہے۔ یہ ایسا شعر ہوتا ہے جو روح

کو متحرک کر دیتا ہے اور اسے جوش میں لے آتا ہے۔

یہ تقسیم اشعار سے ہی خصوصیت نہیں رکھتی بلکہ نثر کا بھی یہی ڈھنگ ہے۔ ہمارے یہاں حماسی (رزمیہ) نثریں ہیں، غنائی نثریں، رثائی نثریں ہیں طرح طرح کی نثریں ہیں۔

صفین کی لڑائی میں حضرت علیؑ اور معاویہ کی فوجوں میں پہلی مڈبھیڑ ہوتی ہے تو حضرت علیؑ لڑائی میں پہل کرنے پر تیار نہیں ہوتے اور اس بات کی پوری پوری کوشش کرتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے مشکلات اور اختلافات کو دور کریں بلکہ معاویہ اور اس کے حمایتوں کو بات چیت کر کے راہ پر لے آئیں لیکن ایک وقت آپ کو یہ خبر ملتی ہے کہ اس نے پہل کر دی اور جس مقام سے فرات کا پانی بھرا جاتا ہے۔ اس پر پہرہ بٹھا دیا ہے۔ حضرت علیؑ باہمی گفت وشنید کر کے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور پیغام بھیجتے ہیں کہ ابھی لڑائی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ مذاکرہ کریں بلکہ مذاکرے سے یہ مسئلہ حل بھی ہو سکتا ہے لیکن یہ بات دوسرے فریق نے منظور نہیں کی، اب اس کی وجہ سے یا تو حضرت علیؑ کے اصحاب پیاس سے مجبور ہو جائیں یا پھر وہ لڑائی لڑیں جو دشمن نے شروع کر دی ہے۔

نہج البلاغہ میں ہے کہ حضرت علیؑ سپاہ کے سامنے اس بات پر ناخوش اور برہم کھڑے ہیں۔ چند سطروں کا ایک مختصر سا خطبہ دیتے اور فرماتے ہیں: "**قد استطعمو کم القتال**"، یہ لوگ لڑائی کے بھوکے ہیں اور تم سے غذا مانگتے ہیں لیکن تلوار کی کاٹ کی غذا " **فاقروا علی مذلة و تاخیر محلة اوروو السیوف من الدما و تروا من الماء**"۔ اے میرے سپاہیو میں نہیں کہتا کہ تم جاؤ اور لڑو بلکہ یہ کہتا ہوں کہ جاؤ ان دو طریقوں میں سے ایک کا انتخاب کرو یا ذلت اختیار کر لو کہ وہ پانی بند کر دیں اور تم دیکھتے رہو یا یہ کہ تم اپنی تلواروں کی پیاس ان نامعقولوں کے خون سے بجھاؤ تا کہ تم خود بھی سیراب ہو سکو۔

"**فالموت فی حیاتکم مقھورین و الحیاة فی موتکم قاھرین**" زندگی یہ ہے کہ تم مر جاؤ لیکن باوقار اور باعزت رہو اور مرنا یہ ہے کہ تم زندہ رہو لیکن سر پر دھولیں کھاتے رہو۔ حضرت علیؑ نے اپنی ایسی باتوں سے وہ جوش دلایا کہ دو گھنٹے کے اندر اندر دشمن کو فرات کے گھاٹ سے اتنی دور تک مار کر بھگایا کہ پھر دشمن پیاس کے مارے ہانپنے لگا لیکن حضرت علیؑ نے اپنے سپاہیوں سے یہ کہہ دیا تھا کہ تم انہیں روزانہ اجازت دے دیا کرو کہ آئیں اور پانی لے جائیں۔ لشکریوں نے کہا کہ انہوں نے تو پانی ہی نہیں دیا تھا۔ ہم بھی انہیں پانی نہیں دیں گے لیکن حضرت علیؑ نے فرمایا: نہیں! یہ غیر انسانی فعل ہے، پانی

کو استعمال کرنے کا ہر جاندار کو حق ہے اس لئے پانی مت بند کرو۔تو معلوم ہوا کہ حماسی بات بھی ہوتی ہے۔جس میں غیرت، شجاعت اور مردانگی کی خوشبو، ڈٹ جانے اور مقابلہ کرنے کی کیفیت ہو۔جب شعر یا نثر میں یہ خصوصیات پائی جائیں تو اسے حماسی (رزمیہ) کہیں گے۔

یہی قسمیں سرگزشتوں، سانحوں اور تاریخوں کی بھی ہوتی ہیں۔ہمارے یہاں غنائی سانحے بھی ہیں، واعظی اور نصیحتی سانحے بھی ہیں، رثائی سانحے بھی ہیں اور حماسی (رزمیہ) سانحے بھی ہیں، ایک سرگزشت پوری کی پوری صرف غنائی ہے، وہ غنا کی بودیتی ہے، عشق ہے۔آپ شاید رسالے بھی کم وبیش پڑھتے رہتے ہیں ان میں سچا قصہ ہو یا افسانہ، حقیقت اور افسانے کو کیسے آپس میں خلط ملط کرتے ہیں سب غنائی داستان ہوتی ہے۔اب یہ ساری غنائی داستان اس قوم کے کانوں میں پڑ رہی ہے۔کیا چیز اندر آرہی ہے میں نہیں جانتا۔رثائی داستانیں جنہیں اصطلاح میں المیہ (ٹریجڈی) کہتے ہیں زیادہ ہیں۔اگر آپ اخبار کے دو صفحات پڑھیں جن پر حادثات کی خبریں ہوتی ہیں تو آپ اسی قسم کے واقعات دیکھیں گے"داستان راستان" سبق آموز داستانیں وہ ایسی داستانیں ہوتی ہیں جن میں نصیحتیں ہوتی ہیں، وہ بھی سبق آموز داستانیں ہیں۔خود شخصیتوں کی بھی یہی قسمیں ہوتی ہیں۔بعض لوگوں کی شخصیت حماسی (رزمیہ) ہوتی ہے اور ان کی روح رزمیہ ہے، بعض کی روح تمنائی ہوتی ہے، بعض کی روح بنیادی طور پر رثائی ہوتی ہے، آہ وفریاد ہوتی ہے، بعض لوگوں کی روحوں کی شکلیں نصیحتوں، ہدایتوں اور وعظوں کی شکل ہوتی ہے۔

اب ہم مختصر طور پر حماسہ کے معنی سمجھ گئے ہیں، اس لئے حسینیؑ حماسہ کے متعلق گفتگو کر سکتے ہیں۔

حماسۂ حسینی ایک انسانی حماسہ:

حضرت امام حسین بن علیؑ کا سانحہ حماسی ہے یا نہیں؟ حسین بن علیؑ کی شخصیت حماسی ہے یا نہیں؟ ہمیں حسین بن علیؑ کی شخصیت کو پہچان لینا چاہیے جو ہمارے لئے ایک انسانی شخصیت ہے جس کے نام پر ہم ہر سال وقت صرف کرتے ہیں، روپیہ خرچ کرتے ہیں اور کتنے ہی دن تک کام نہیں کرتے۔ان خصوصیات کی رو سے آپؑ کی شخصیت حماسی ہے یا نہیں؟ کیا ہم امام حسینؑ اور ان کی سرگزشت کو حماسی سمجھیں یا المیہ یا مصیبت، رثا اور ضائع (بے مصرف) سمجھیں؟۔یہاں ہمیں تھوڑی سی وضاحت کر دینی

چاہیے۔

جن حماسی شخصیتوں کیلئے حماسی نظمیں کہی گئی ہیں ان کے نسلی اور قومی پہلو ہوتے ہیں۔ یہ بات رستم اور اسفندیار جیسی افسانوی شخصیتوں یا ایران کے تاریخ کے جلال الدین خوارزم شاہ کی سی حقیقی شخصیتوں کے بارے میں عام ہے۔ عام طور پر ایک قوم کے حقیقی اور افسانوی آئیڈیل چونکہ اس قوم سے منسوب ہوتے ہیں اس لیے یہ افراد قوم کے جذبات ابھارتے ہیں۔ بنیادی طور پر پہلوان کو پسند کرنا اور اپنے آئیڈیل کے گن گانا انسان کے خمیر میں ہے۔ کشتی کے ان پہلوانوں کے حق میں جو کامیاب ہوجاتے ہیں لوگ واقعی اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں یا جس آئیڈیل نے کوئی بہت بھاری وزن اٹھا لیا ہو اور ریکارڈ توڑ دیا ہو مثلاً عالمی ریکارڈ سے تین کلوگرام زیادہ وزن اُٹھالیا ہو اس پر لوگ کتنے ہی پھول نچھاور کرتے ہیں یا اس پہلوان کے حق میں جس نے کشتی لڑی ہو اور اپنے حریف کو کسی ترکیب سے فنی شکست دے دی ہو پرخلوص جذبات ظاہر کرتے ہیں۔

یہ سب اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اپنے آئیڈیل دوستی اور آئیڈیل پرستی انسانی خمیر میں ہے اور اس سلسلے میں وہ دوسرے آئیڈیل نہیں اپنی ہی قوم وملت کے آئیڈیل کے گن گاتا ہے۔ بین الاقوامی کشتیوں میں ہر قوم کے لوگ جوان مقامات پر موجود ہوتے ہیں اور وہ بھی جو صرف ریڈیو سے سنتے اور ٹیلی وژن پر دیکھتے ہیں سب کے سب اپنے اپنے ہی ہم وطنوں کیلئے جذباتی کشش رکھتی ہیں جو اپنے وطن اور قوم کیلئے اعزاز وافتخار کماتے ہیں۔ افسانہ نگاروں نے بھی داستانوں اور افسانوں کو اس طرح تشکیل دیا ہے کہ ہماری دلی خواہش کے مطابق ہوجائیں یعنی ہمیشہ دوسرا فریق مغلوب اور محکوم ہو اور یہ فریق غلبہ پائے اور جیت جائے۔ یہ حماسے قومی حماسے ہیں یعنی ایک مقررہ قوم اور نسل اور ایک مقررہ پانی اور مٹی سے مخصوص ہیں۔

لیکن امام حسینؑ کے معاملے میں بات اس سے مختلف ہے۔ امام حسینؑ ایک حماسی شخصیت تو ہیں لیکن ایسی نہیں جیسی باقی افسانوی شخصیات کی ہیں۔ امام حسینؑ کی شخصیت حماسی ہے لیکن یہ حماسہ انسانیت، بشریت کا ہے، قومیت حماسہ نہیں ہے۔ امام حسینؑ کی بات، امام حسینؑ کا عمل، امام حسینؑ کا سانحہ، امام حسینؑ کی روح، غرض امام حسینؑ کی ہر چیز جوش ہے، جذبہ ہے، سبق ہے، قوت آفرین ہے لیکن کس قسم کی قوت آفرین؟ کس قسم کا سبق؟ کیا اس لحاظ سے جیسے کوئی کسی خاص قوم سے منسوب ہوتا

ہے؟ یا اس لحاظ سے کہ مشرقی ہے؟ یا اس پہلو سے جیسے کوئی عرب ہے اور غیر عرب ہے؟۔

بنیادی طور پر امام حسینؑ کے وجود میں اس قسم کا کوئی حماسہ نہیں مل سکتا چنانچہ امام حسینؑ کے نہ پہچانے جانے کی وجہ بھی یہی ہے۔ چونکہ ان کا حماسہ (رزمیہ) اس قسم کے حماسوں سے مختلف اور بلند تر ہے، انہیں کم ہی لوگ پہچان سکتے ہیں۔ اب ہمیں دیکھنا ہے کہ اصلیت کیا ہے، آپ سخت حماسی ہونے کے لحاظ سے اور حماسہ کی بلندی اور رفعت کے لحاظ سے اوروں سے بالکل مختلف تھے۔ قومی اور ملی نقطہ نظر سے نہیں بلکہ انسانی نقطہ نظر سے حضرت امام حسینؑ بن علیؑ کی شخصیت جیسی دنیا کی کوئی ایک بھی حماسی شخصیت نہیں بلکہ انسانی نقطہ نظر سے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شخصیت جیسی دنیا کی کوئی ایک بھی حماسی شخصیت پیش نہیں کر سکیں گے۔ امام حسینؑ انسانیت کا ترانہ ہیں، انسانیت کا نغمہ ہیں، اس وجہ سے اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ میں یہ بات جرأت کے ساتھ کہتا ہوں کہ ان کی مثال نہیں ملتی۔ آپ کو دنیا میں حسین بن علیؑ کا سارا حماسہ نہیں مل سکتا چاہے اس کی قدرت اور قوت کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے اور چاہے اس کی بلندی اور رفعت اور اس کے انسانی ہونے کے نقطہ نظر سے ڈھونڈتے رہئے، بدقسمتی سے ہم لوگ اس حماسے کو پہچان نہیں پائے ہیں، اس کی قدر و قیمت اور وقار و شرف کو سمجھ نہیں پائے ہیں۔

عاشور کے سانحے اور کربلا کی تاریخ کے دو صفحے ہیں۔ ایک صفحہ سفید اور نورانی ہے اور دوسرا صفحہ کالا اور تاریک۔ دونوں صفحوں کی مثال نہیں ملتی اور اگر ملتی بھی ہوگی تو بہت کم۔ اس کا سیاہ اور تاریک صفحہ اس لحاظ سے تاریک اور سیاہ ہے کہ ہم کو اس میں صرف بے مثال جرم و گناہ نظر آتا ہے۔

تاریخ کربلا کے دو صفحے:

کربلا کا سانحہ ایک جرم اور ایک المیہ ہے، ایک مصیبت ہے، ایک مرثیہ ہے۔ ہم جب اس صفحے پر نگاہ ڈالتے ہیں تو اس میں بے گناہوں کا قتل دیکھتے ہیں، جوانوں کا قتل دیکھتے ہیں، دودھ پیتے بچے کا قتل دیکھتے ہیں، گھوڑوں کی ٹاپوں میں لاشوں کی پامالی دیکھتے ہیں، ایک انسان کو پانی نہ پلاتا دیکھتے ہیں، عورتوں اور بچوں کو کوڑے کھاتا دیکھتے ہیں، قیدی کو بے کجاوہ اونٹ پر سوار کراتے دیکھتے ہیں۔ اس نقطہ نظر سے اس حادثے کی آئیڈیل شخصیت کون ہے؟ ظاہر ہے کہ جس وقت ہم اس حادثے کے جرم کے پہلو پر نگاہ ڈالتے ہیں تو جو شخص مظلوم نظر آتا ہے وہ آئیڈیل نہیں ہے، وہ بے بس مظلوم ہے، اس حادثے

کا آئیڈیل اس نقطہ نظر سے یزید بن معاویہ ہے، عبید اللہ بن زیاد ہے، عمر ابن سعد ہے، شمر ابن ذی الجوشن ہے، خولی ہے اور کچھ دوسرے لوگ ہیں۔ اس لئے جب ہم اس تاریخ کے سیاہ صفحے کا مطالعہ کرتے ہیں تو صرف انسان کا جرم اور مرثیہ ہی دیکھتے ہیں۔ اب اگر ہم شعر کہنا چاہیں تو کیا کہیں؟ مرثیہ کہیں کیونکہ مرثیہ کے سوا اور کوئی بات بھی نہیں ہے جو ہم کہہ سکیں، ہمیں یہ کہنا چاہیے:

ز ان تشنگان هنوز به عیوق می رسد

فریاد العطش زیابان کربلا

(ابھی تک ہمارے کانوں تک کربلا سے پیاسوں کی العطش کی صدا آرہی ہے)

تو کیا عاشور کی تاریخ میں صرف یہی صفحہ ہے؟ کیا فقط مرثیہ ہے؟ فقط مصیبت ہے اور دوسری کوئی چیز نہیں ہے؟ ہماری غلطی یہی ہے، اس تاریخ کا ایک اور صفحہ ہے اور اس صفحے کی آئیڈیل شخصیت معاویہ کا بیٹا نہیں ہے، سعد کا پسر نہیں ہے، شمر نہیں ہے، اس میں آئیڈیل امام حسینؑ ہیں، اس صفحے میں کوئی جرم نہیں ہے۔ المیہ نہیں ہے بلکہ حماسہ ہے، فخر اور روشنی ہے، حقیقت اور انسانیت کا جلوہ ہے، حق پرستی کی چمک دمک ہے، اس صفحے پر نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ انسانیت کا سر جھکا ہوا ہے اور وہ اپنے آپ کو اس آیت کا مصداق پاتی ہیے جو کہتی ہے: "وَإِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلاَئِکَةِ إِنِّی جَاعِلٌ فِی الْأَرْضِ خَلِیفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِیهَا مَنْ یُفْسِدُ فِیهَا وَیَسفِکُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ قَالَ إِنِّی أَعْلَمُ مَا لاتَعْلَمُونَ" اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا: میں زمین میں ایک خلیفہ (نائب) بنانے والا ہوں، فرشتوں نے کہا: کیا تو زمین میں ایسے کو خلیفہ بنائے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خون ریزی کرے گا؟ جبکہ ہم تیری ثنا کی تسبیح اور تیری پاکیزگی کا ورد کرتے رہتے ہیں، اللہ نے فرمایا: (اسرار خلقت بشر کے بارے میں) میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے (بقرہ: ۳۰)

یقینا جبرائیل امین اس خدائی اعلان کے مقابلے میں جس میں خدا نے فرمایا تھا: "انی جاعل فی الارض خلیفة" سوال نہیں کرتے لیکن فرشتوں کی جماعت جو انسانیت کا صرف سیاہ صفحہ دیکھ رہی تھی اور دوسرا صفحہ نہیں دیکھ رہی تھی، خدا سے یہ سوال کر بیٹھی کہ کیا تو زمین پر ایسے لوگوں کو مقرر کرنا چاہتا ہے جو فساد برپا کریں اور خون بہائیں؟ اور خدا نے ان کے جواب میں فرمایا تھا: "إِنِّی أَعْلَمُ مَا لاتَعْلَمُونَ" جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

ایک صفحہ ایسا صفحہ ہے جس پر فرشتہ اعتراض کرتا ہے تو انسان سر جھکا لیتا ہے اور دوسرا صفحہ ایسا ہے جس پر بشریت ناز کرتی ہے۔ ہم کربلا کے سانحے کا اس کے تاریک صفحے کے نقطہ نظر ہی سے کیوں مطالعہ کریں؟ ہمیشہ کربلا کے جرائم ہی کیوں گناتے جائیں؟ ہم ہمیشہ امام حسینؑ بن علیؑ کا مطالعہ اس پہلو سے کیوں کرتے رہیں جو قاتلوں کے جرائم سے متعلق ہے؟ ہم امام حسین بن علیؑ کے نام سے ان نعروں کو کیوں نسبت دیں اور کیوں لکھیں جو عاشور کے تاریک صفحے سے حاصل کئے جائیں؟ ہم اس قصے کے روشن صفحے کا مطالعہ کیوں نہیں کرتے ہیں جبکہ اس داستان کا حماسی پہلو اس کے جریمانہ پہلو سے سوگنا بھاری ہے اور اس کی چمک دمک اس کی تاریکی سے کہیں زیادہ ہے۔ ہمیں یہ ماننا چاہئے کہ حسین بن علیؑ کے ایک جانی دشمن ہم بھی ہیں جو اس تاریخ کا صرف ایک ہی صفحہ پڑھتے ہیں اور دوسرا صفحہ نہیں پڑھتے۔ امام حسینؑ کے وہ لوگ بھی قاتل ہیں جنہوں نے اس تاریخ کے مقصد میں تحریف اور تبدیلی کردی ہے اور کررہے ہیں۔

امام حسینؑ کو دشمنوں نے ایک دن قتل کرڈالا اور ان کا سر ان کے تن سے جدا کردیا لیکن امام حسین فقط ایک جسم ہی نہیں ہیں۔ امام حسینؑ ہماری تمہاری طرح نہیں ہیں۔ امام حسینؑ کے وہ لوگ بھی قاتل ہیں جنہوں نے اس تاریخ کے مقصد میں تحریف اور تبدیلی کردی ہے اور کررہے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام ایک زندہ مکتب:

امام حسینؑ کو دشمنوں نے ایک قتل کرڈالا اور ان کا سر ان کے تن سے جدا بھی کردیا لیکن امام حسینؑ فقط ایک جسم ہی نہیں امام حسینؑ ہماری تمہاری طرح نہیں ہیں۔ امام حسینؑ کی ذات ایک مکتب ہے جو آپؑ کی موت کے بعد اور زیادہ زندہ ہوجاتا ہے۔ بنی امیہ کی حکومت سمجھی تھی کہ حسینؑ کو قتل کردیا اور بات ختم ہوگئی لیکن یہ بات بڑی دیر بعد سمجھ میں آئی کہ مردہ حسین ان کیلئے زندہ حسینؑ سے زیادہ تکلیف دہ اور خطرناک ہے، امام حسینؑ کی قبر روحانیوں کا کعبہ ہے۔ حضرت زینبؑ نے بھی یزید سے یہی کہا تھا، تو نے غلطی کی " **فکد کیدک واسع سعیک ناصب جھدک فوا اللہ لا تمحوا ذکرنا ولا تمیت وحینا** " تو اپنی اسکیم پر عمل کرلے لیکن اطمینان رکھ تو میرے بھائی کو قتل کرکے مٹا نہیں سکتا، میرے بھائی کی زندگی کا انداز ہی دوسرا تھا وہ مرا نہیں ہے اور بھی زندہ ہوگیا ہے۔ اس وقت آج کے سے مرثیہ گو

نہیں تھے، کمیت، مرثیہ گو تو تھا، دعبل خزاعی مرثیہ گو تھا وہی دعبل خزاعی جس نے کہا تھا کہ میں پچاس سال سے اپنی صلیب اپنے کاندھے پر اُٹھائے پھر رہا ہوں، وہ ایسا مرثیہ کہتا تھا کہ اموی اور عباسی سلاطین کے تخت ہلا دیتا تھا۔

وہ محتشم نہیں تھا، ہمارے شاعروں نے امام حسینؑ کی شہادت کا ذمہ دار آسمان کو ٹھہرایا ہے۔ کمیت ،اس قسم کا شاعر نہیں تھا، وہ ایک قصیدہ کہتا تھا تو دنیا کو لرزا دیتا تھا لیکن حضرت امام حسینؑ کی تاریخ سے، حسینؑ کے نام سے اور حسینؑ کے مرثیے ،انہوں نے دیکھا عجب! ہمارے لئے قبر امام حسینؑ بھی ایک مصیبت ہے لہٰذا انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ آپ کی قبر برباد کر دی جائے ،قبر ڈھا دی گئی ، اس کے تمام نشانات مٹا دیئے، زمین کی اونچائی نیچائی دور کر کے زمین ہموار کر دی گئی۔ قبر کی جگہ اس طرح پانی بھر دیا گیا کہ کسی کو پتا نہ چل پائے کہ امام حسینؑ کی قبر کس مقام پر واقع ہے لیکن کیا ایسا ہو گیا؟ لوگ وہاں اور زیادہ پہنچنے لگے۔ خود متوکل کے یہاں ناچنے گانے والیوں کی ایک سردار ملازم تھی۔ ایک بار متوکل کو اس سے کوئی کام پڑ گیا، اسے بلوایا، لوگوں نے بتایا کہ نہیں ہے، پوچھا گیا کہاں گئی ہے؟ کہا سفر پر گئی ہے، جب کچھ عرصے کے بعد پلٹی تو متوکل نے اس سے پوچھا، کہاں چلی گئی تھی؟ اس نے جواب دیا کہ مکے کی زیارت کو گئی تھی۔ متوکل بولا یہ مکے کی زیارت کا وقت تو نہیں ہے۔ نہ بقرعید کا مہینہ ہے کہ حج ہو اور نہ ماہ رجب ہے کہ عمرہ ہو۔ اس نے اصرار کیا کہ سچ بتا کہاں گئی تھی؟ آخر کار اسے معلوم ہو گیا کہ یہ عورت حسین بن علیؑ کی زیارت کو گئی تھی، متوکل آگ بگولا ہو گیا لیکن سمجھ گیا کہ حسینؑ کا نام بھلایا نہیں جا سکتا۔

غم حسینؑ کیسے منایا جائے:

میں نہیں جانتا کہ کس قاتل یا کن قاتلوں نے حضرت امام حسینؑ پر دوسری شکل میں وار کیا کہ حسین بن علیؑ کے مقصد میں ہی تحریف کر ڈالی اور وہی خرافات جو عیسائی حضرت مسیحؑ کے بارے میں کہتے ہیں۔ حسین بن علیؑ کے متعلق بھی کہہ اُٹھے کہ امام حسینؑ نے اس لئے جان دی کہ اُمت کے گناہوں کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اُٹھا لیں۔ یعنی ہم گناہ کریں اور چین سے رہیں۔ امام حسینؑ اس لئے قتل ہوئے کہ اس وقت تک گنہگار کم تھے تو زیادہ ہو جائیں لہٰذا اس تحریف کے بعد سوائے اس کے اور کوئی صورت ہی نہیں رہ گئی تھی کہ ہم اس سانحے کا سیاہ اور تاریک صفحہ ہی پڑھتے رہیں۔ صرف رثا اور مرثیہ ہی دیکھتے رہیں، میں

یہ نہیں کہتا کہ وہ تاریک صفحہ نہ دیکھا جائے، دیکھا جائے ضرور دیکھا جائے بلکہ خوب پڑھا بھی جائے البتہ یہ مرثیہ حماسہ کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ امام حسین بن علیؑ کا سوگ ہمیشہ زندہ رہنا چاہیے بالکل درست ہے اور خود پیغمبر اسلامؐ کی سفارش ہے اور آئمہ اطہارؑ نے بھی اس کی وصیت کی ہے، یہ سوگ اور مصیبت بھلانی نہیں چاہئے، یہ ذکر، یہ یادگار محو و فراموش نہیں ہونی چاہئے اور لوگوں کو امام حسینؑ کی مصیبت پر ہمیشہ آنسو بہاتے رہنا چاہیے لیکن ایک اسوۂ کے سوگ میں آنسو بہانے چاہئیں تو پہلے امام حسینؑ کا آپ کے سامنے آئیڈیل ہونا طے پائے اور پھر آپ آئیڈیل کے غم میں روئیں۔ ورنہ ایک ضائع ہوجانے والے بیچارے، مجبور اور مظلوم پر رونا کیا؟ اس کیلئے پوری قوم کا رونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ آئیڈیل کے سوگ میں روئیے تاکہ آپ اپنے آئیڈیل کی طرح کے جذبات پیدا کرسکیں تاکہ اسوہ کی روح کا ایک عکس آپ کی روح پر پڑے اور آپ میں بھی کسی حد تک حق اور حقیقت کے بارے میں غیرت و حمیت پیدا ہوسکے۔ آپ بھی انصاف طلب ہوسکیں، آپ بھی ظلم اور ظالم سے جنگ کریں، آپ بھی آزادی کے طلب گار ہوں، آزادی کے احترام کے قائل ہوں، آپ کو بھی یہ خیال آئے کہ عزت نفس کیا چیز ہوتی ہے؟ شرافت اور انسانیت کیا ہوتی ہے؟ کرامت یعنی بزرگی اور عظمت کسے کہتے ہیں؟ جو ہم حسینی تاریخ کا روشن صفحہ پڑھ لیں گے تب بھی ان کے سوگ کے پہلو سے فائدہ اُٹھا سکیں گے۔ ورنہ بیکار ہوگا۔ (ہم یوں سوچتے ہیں کہ حسین بن علیؑ اس دنیا میں یہ اُمید رکھتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ ہمدردی کریں یا نعوذ باللہ حضرت فاطمۃ الزہراؑ چودہ سو سال کے بعد بھی پروردگار عالم کی رحمت کے قرب میں یہ آس لگائے بیٹھی ہیں کہ ہم جیسے ناتوان افراد ان کیلئے روئیں تاکہ ان کے دل کو تسلی اور دلاسا دے سکیں)۔

چند سال پہلے میں نے ایک کتاب میں دیکھا تھا کہ مصنف نے حضرت امام حسین بن علیؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا موازنہ کیا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ عیسائیوں کا عمل مسلمانوں (شیعوں) کے عمل سے بہتر اور افضل ہے کیونکہ عیسائی حضرت عیسیٰؑ کی شہادت کے دن جشن کرتے ہیں اور خوشی مناتے ہیں لیکن شیعہ امام حسینؑ کی شہادت کے دن مرثیے پڑھتے اور روتے ہیں ان لوگوں کا عمل ان لوگوں کے عمل سے اس لئے افضل ہے کہ وہ شہادت کو حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کی ناکامی نہیں کامیابی سمجھتے ہیں اور چونکہ جانتے ہیں ،روتے پیٹتے ہیں لہٰذا وہ قوم مبارک ہے جو شہادت کو کامیابی سمجھتی ہیں اور جشن مناتی ہیں اور اس قوم پر

افسوس ہے جو شہادت کو شکست گردانتی ہے اور اس کی خاطر مرثیہ خوانی کرتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو مسیح دنیا جو اس شہادت کی خوشی مناتی ہے اس کی تہہ میں وہ فضول عقیدہ کارفرما ہے جس کے رو سے حضرت عیسیٰؑ اس لئے مارے گئے ہیں کہ ہمارے گناہوں کا بوجھ اپنے ذمے لے لیں۔ اب چونکہ وہ اپنے خیال خام میں ہلکے پھلکے اور گناہوں سے پاک وصاف ہو چکے ہیں لہٰذا جشن مناتے ہیں، حقیقت میں وہ اپنے خیال کے مطابق اپنا بوجھ ہلکا ہونے کی خوشی مناتے ہیں اور یہ محض فضول سی بات ہے۔ دوسرے اسلام اور تحریف شدہ مسیحیت کا وہ فرق ہے کہ اسلام ایک اجتماعی دین ہے اور مسیحیت ایک ایسا دین ہے جس میں سب کچھ اخلاقی نصائح ہیں۔ دوسری طرف یہ بات ہے کہ کسی سانحے پر ہم کبھی ایک فرد کی حیثیت سے نظر ڈالتے ہیں اور کبھی اجتماعی حیثیت سے۔ اسلام کے مطابق امام حسین بن علیؑ کی شہادت ایک فرد کے نقطہ نظر سے کامیاب تھی۔ حضرت حسین بن علیؑ کیلئے یہ شہادت ہار تھی یا جیت؟ ہر مسلمان کہے گا جیت تھی اور خود حضرت نے پہلے ہی دن فرمادیا تھا: "**خط الموت علی ولد آدم مخطا لقلادة علی جید الفتاة و ما اولهنی الیٰ اسلافی اشتیاق یعقوب الی یوسف**"۔ (موت اولاد آدمؑ کیلئے اسی طرح زینت ہے جیسے عورت کیلئے گلوبند اور میں اپنے اسلاف سے ملنے کا اسی طرح آرزومند ہوں جیسے یعقوبؑ، یوسفؑ سے ملاقات کے خواہاں تھے)۔ ایک انسان کی نظر سے اور خود شہید کی نظر سے شہادت کی کامیابی ہوتی ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ مسیحی ہی کہیں، تقریباً چودہ سو سال پہلے خود اسلام کے پیشواؤں نے بھی یہ بات کہی ہے۔ حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے سر پر جس وقت تلوار لگتی ہے اور ابرو تک اتر آتی ہے اس وقت آپؑ فرماتے ہیں: "**واللہ ما فجانی من الموت وارد کرهته او طالع انکرته وما کنت الا کقارب ورد و طالب وجد**"۔ خدا کی قسم! یہ ناگہانی موت جو مجھے آئی ہے اور یہ ناگہانی وار جو میں نے کھایا ہے مجھے بالکل ناگوار نہیں تھا۔ میں تو اس پر فخر کرتا ہوں اور اس دن کی تمنا رکھتا تھا۔ خدا کی قسم! میری مثال اس عاشق کی سی ہے جو اپنے معشوق کے پاس پہنچ گیا ہو۔

بقول شاعر!

دیدار یار غالب، دانی چه ذوق دارد ابرے که در بیابان بر تشنه ای ببارد
دوش وقت سحر از غصه نجا تم دادند اندر میان ظلمت شب، آب حیا تم دادند

"اس چوٹ کھانے کی حالت میں میری مثال ان لوگوں کی سی ہے جو اندھیری رات میں پانی ڈھونڈتے پھرتے ہیں اور اچانک پانی تک پہنچ جاتے ہیں"۔

یہ بات تو ہوئی ایک شخص اور ایک فرد کے نقطہ نظر سے لیکن اسلام کا اور پہلو بھی ہے۔ وہ معاملات کا ہمیشہ صرف شخصی پہلو ہی سے مطالعہ نہیں کرتا بلکہ اجتماعی پہلو سے بھی مطالعہ کرتا ہے۔ اجتماعی پہلو سے اس زاویہ سے کہ جن لوگوں نے اس کا ارتکاب کیا ہے اسلامی معاشرے میں ایک زوال کا مظہر تھا۔ اس لئے اسے برابر یاد رکھنا چاہیے تاکہ لوگ پھر ایسے گھناؤنے فعل کا ارتکاب نہ کریں۔ یہ وہی افسوس اور پچھتاوا ہے جو ایک قوم کہتی ہے ہم مسلمانوں نے ایسا کام کیا ہے؟ ان لوگوں پر لعنت ہو جنہوں نے ایسا کام کیا تھا، ہم اب پھر ایسا کام نہ کریں۔ دوسرے یہ موضوع اسلامی اور انسانی جذبات کے تزکیہ اور صفائی کیلئے بھی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ہم اسے صحیح طریقے سے سمجھیں۔ آج وہ دن نہیں ہے کہ آدمی پانی میں سر چھپالے۔ ہمیں اپنے مذہبی طور وطریقوں میں اصلاح کرنی چاہیے۔ اپنے مذہب میں نہیں بلکہ اپنے کاموں میں، اپنی غلطی اور غلط فہمیوں میں جن کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

حسینی تحریک ایک مقدس حماسہ:

ہم کہہ چکے کہ حماسی بات، نظم، شعر یا نثر وہ ہوتی ہے جو عقیدے کیلئے جنگ آزمائی، مقابلے، قیام اور بچاؤ کی خاطر انسانی روح میں جوش اور ولولہ پیدا کر دیتی ہے اور حماسی شخصیت اسے کہتے ہیں جس کی روح میں یہ لہر اُٹھتی ہے اور جو عظمت، غیرت، حمیت، شجاعت، حقوق کے بچاؤ اور انصاف طلبی کے مچلتے جذبوں سے سرشار ذہنیت رکھتی ہے اور پھر ہم نے کہا تھا کہ عاشور کی تاریخ میں دو صفحے ہیں۔ ان میں سے ایک سیاہ اور تاریک ہے جو انسانی جرائم کا آئینہ دار ہے۔ بہت بڑے جرم کا، یہ ایک بے حد و حساب جرم اور ظلم کی داستان ہے، اس لئے ہمارے اس جرم کی داستان کے کتنے ہی آئیڈیل ہیں جو جرم و گناہ کے آئیڈیل ہیں۔ معاویہ کا بیٹا، زیاد کا بیٹا، سعد کا پسر اور کچھ دوسرے لوگ جرم کی اس داستان کے آئیڈیل ہیں لیکن یہ داستان پوری جرم کی نہیں ہے یعنی ہماری داستان میں ایک نہیں دو صفحے ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ مجرموں کی جماعت نے پاک اور بے گناہ لوگوں کی ایک جماعت پر ظلم کر دیا۔ ہاں داستانیں ہیں جو صرف ظالمانہ اور جرمیہ ہیں۔ انمیں ایک صفحے سے زیادہ نہیں ہے اور وہ بھی جرائم سے

بھرا ہوا ہے۔ مثلاً مسلم بن عقیل کے بیٹوں کا قصہ جرم و گناہ کی داستان ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ دو نابالغ بچے، جو بے گناہ ہیں، جن کا باپ قتل کر دیا گیا ہے، ایک اجنبی شہر میں ایک قاتل کے ہاتھ پڑ جاتے ہیں اور وہ انہیں دولت کی لالچ میں نہایت وحشیانہ طریقے سے قتل کر دیتا ہے۔ جب ہم یہ تاریخ پڑھتے ہیں تو ایک طرف تو جرم و گناہ دیکھتے ہیں اور دوسری طرف دو معصوم اور نابالغ اجنبی بچے جن پر ظلم ہوتا ہے جو کچھ کہہ بھی نہیں پائے، جو کچھ کہہ بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ یہ بچے کم و بیش دس بارہ سال کے ہوں گے۔ یہ صرف ایک جرم کی داستان ہے اور دونوں بچوں کے لحاظ سے سوگ ہے، مصیبت ہے، مظلومیت ہے۔

لیکن کربلا کی داستان اس طرح کی نہیں ہے، اس داستان کے دو صفحے ہیں، دوسرا صفحہ زیادہ قابل مطالعہ ہے۔ یہ صفحہ پہلے کے مقابلہ میں مثبت پہلو رکھتا ہے۔ ایک زوردار عملی صورت رکھتا ہے۔ انسانیت، بزرگی، بلندی اور بشریت نیز عظمت کی آماجگاہ ہے۔ انسانیت کی سربلندیوں اور فیاضیوں کی نمائش گاہ ہے۔ مکمل حماسہ ہے جس میں بزرگی، شجاعت، سچائی کی طلب اور حقانیت کی لگن موجیں مار رہی ہیں۔ اس لحاظ سے ہماری داستان کے آئیڈیل پسر معاویہ، پسر زیاد، پسر سعد اور دوسرے لوگ نہیں ہیں۔ اس نقطہ نظر سے اس داستان کی آئیڈیل شخصیت حسینؑ بن علیؑ، عباس بن علیؑ، حضرت علیؑ کی بیٹی جناب زینب سلام اللہ علیہا اور دیگر اہلبیت و اعوان و انصار ہیں۔ اعلیٰ درجے کے جانثار مردوں کی جماعت ہے جن کی امام حسینؑ بھی تعریف کرتے ہیں جو کبھی کوئی غلط یا مبالغہ آمیز بات نہیں کرتے۔

اصحاب حسینؑ کی عظمت:

امام حسینؑ نے شب عاشورا اپنے اصحاب کی تعریف کی۔ آپ نے یہ نہیں کہا کہ کل بے گناہ اور مجبور لوگوں کی ایک جماعت قتل کی جائے اور تم لوگوں کی زندگیاں ختم ہو جائیں گی بلکہ ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا "**فانی لا اعلم اصحاباً اوفی خیراً من اصحابی**" دنیا میں میں نے اپنے اصحاب سے بہتر کسی کے اصحاب نہیں پائے یعنی میں تم کو بدر کے ان اصحاب پر بھی ترجیح دیتا ہوں جو پیغمبر کے ساتھ تھے۔ اپنے والد بزرگوار حضرت علیؑ کے اصحاب پر ترجیح دیتا ہوں۔ نبیوں کے ان اصحاب پر جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ "**وَ كَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ مَا ضَعُفُوا وَ مَا اسْتَكَانُوا وَ اللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ**" اور مسلمانوں کچھ تم ہی نہیں، ایسے پیغمبر

بہت سے گذر چکے ہیں جن کے ساتھ بہت سے اللہ والوں نے جہاد کیا، پھر ان کو جو مصیبت آ پڑی نہ تو انہوں نے ہمت ہاری اور نہ دشمن کے سامنے گڑ گڑائے اور ثابت قدم رہنے والوں کو خدا دوست رکھتا ہے۔(آل عمران۔۱۴۶)، پر ترجیح دیتا ہوں یعنی میں تسلیم کرتا ہوں کہ تم سب کے سب آئیڈیل ہو۔ آپ کی گفتگو یوں شروع ہوتی ہے۔ "شاباش شاباش !اے آیڈیلز کی جماعت "اس کی بنا پر اب میں سمجھا کہ اس داستان کے دو صفحے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس کے دوسرے صفحے کا بھی مطالعہ کریں اور یہ مان لیں کہ ہم نے ماضی میں یہ غلطی کی ہے کہ اس داستان کا صرف ایک زاویہ سے مطالعہ کیا ہے اور غالباً داستان کے دوسرے رُخ کو سرے ہی سے چھوڑ گئے ہیں یعنی ہم پسر معاویہ، پسر سعد، پسر زیاد کے مجرمانہ کارنامے ہی دکھاتے چلے آ رہے ہیں۔

عشق حسینؑ کے عظیم جذبات:

میں ان ماتمی دستوں کے احترام کا قائل ہوں۔ کیونکہ یہ جذبات کا اظہار کرتے ہیں ،ان احساسات کو جو سو فیصدی فطری ہیں اور جو عقیدے اور ایمان سے بیدار ہوتے ہیں۔ جو لوگ یہ جانتے ہیں کہ اگر کسی قوم میں اس قوم کے بڑے آیڈیلز کیلئے عقیدے اور ایمان سے پیدا ہونے والے فطری جذبات موجود ہوں تو وہ کتنے قابل قدر ہوتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ ان کو ختم نہیں کرنا چاہیے۔ ان کے خلاف جدوجہد بھی نہیں کرنی چاہیے۔ صرف ان کی اصلاح کرنی چاہیے۔ نہایت عظیم جذبات صرف عقیدے اور ایمان کی قوت سے جنم لیتے ہیں۔ ان کو سنوارنا اور درست کرنا چاہیے۔ کیا آپ اربوں، کھربوں روپے خرچ کر کے بھی قوم میں ایسے جذبات بیدار کر سکتے ہیں۔

یہ شخص جو اپنی جیب سے دولت خرچ کرتا ہے، خود کو ہر کام روک دیتا ہے، ماتم کرتا ہے اور اس کے آنسو بھی برابر بہتے رہتے ہیں، بہت قدر و قیمت رکھتا ہے۔ اس سے لڑنا نہیں چاہیے، اور نہیں یہ کہنا چاہیے کہ یہ وحشیانہ کام ہے۔ تاریخ کے بڑے آئیڈیلز کے حق میں جذبات کا اظہار وحشی پن نہیں ہوتا۔ اس کی غلطی صرف یہ ہے کہ وہ جس وقت جذبات کا اظہار کرنا چاہتا ہے، وہ نہیں جانتا جو بھی نمائش کرنا چاہتا ہے اس طرح کرے کہ حسینی حماسہ کا آئینہ دار بن جائے۔ تاریخ عاشور کے روشن پہلو کا نمائش گر بن جائے۔ امام حسینؑ کی روح کا دکھانے والا بن جائے ،خوش قسمتی سے یہ بیداری کم و بیش ہو چکی ہے اور کبھی

کبھی انسان آنکھوں سے دیکھ بھی لیتا ہے کہ بعض دوستوں نے اس بات کی طرف دھیان دینا شروع کر دیا ہے کہ کیا کر رہے ہیں اور کیا کرنا چاہئے؟

مقدس حماسے کی خصوصیات:

بڑے آدمی کی روح حماسی ہوتی ہے۔ چاہے اس نے اپنی ذات کیلئے کام کیا ہو یا ایک قوم کیلئے یا بشریت اور انسانیت کیلئے کوئی کارنامہ سرانجام دیا ہو یا انسانیت سے بھی بلند ہو کر سوچے اور اپنے آپ کو دنیا والوں کے ان عمومی مقاصد کے خدمت گزار سمجھے جسے اس لحاظ سے رضائے الٰہی کا نام دیتے ہیں کہ خدا نے یہ خلقت پیدا کر کے اس کیلئے ایک راستہ اور ایک عمومی مقصد طے کر دیا ہے، یہی راستہ رضائے الٰہی کا راستہ ہے۔

بڑا آدمی وہ ہے جس کی روح میں حماسہ موجود ہو۔ اس کے علاوہ نہیں ہوسکتا۔ اگر نادر شاہ کی روح میں حماسہ نہ ہوتا تو وہ ایران سے افغانوں کو نکال سکتا تھا اور نہ ہندوستان کو فتح کر سکتا تھا۔ یہ تو خود ایک حماسہ ہے لیکن یہ کہ بعد میں جو مالیخولیا میں مبتلا ہو گیا اور خود اپنی ہی قوم کی جان کا دشمن بن گیا تو یہ بات دوسری ہے۔ سکندر کی روح میں ضرور ایک حماسی لہر موجود تھی۔ اس طرح شاہ اسماعیلی نپولین، سکندر شاہ وغیرہ بھی ایک بڑے ارادے اور ہمت والے لوگ ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک اپنی ہی شخصیت کو سعت دینا چاہتا ہے۔ ہر شے کو اپنی ہی شخصیت میں سمیٹ لینا چاہتا ہے۔ تمام قوموں اور سلطنتوں کو اپنی ہی مملکت میں جذب کر لینا چاہتا ہے لہٰذا ایک قوم کے نقطہ نظر سے ان میں سے ہر ایک قومی آئیڈیل ہے لیکن دوسری قوم کے نقطہ نظر سے مجرم ہے۔ سکندر یونانیوں کا آئیڈیل ہے اور ایرانیوں کیلئے مجرم ہے۔ وہ یونانیوں کیلئے آئیڈیل ہے کیونکہ اس نے یونان کو عزت بخشی کیونکہ اس نے دوسری قوتوں، حکومتوں اور عظمتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور دوسری مملکتوں میں یونانی پرچم لہرا دیا لیکن وہ کسی مغلوب قوم کے نقطہ نظر سے آئیڈیل نہیں ہوسکتا۔ نپولین فرانسیسیوں کیلئے آئیڈیل ہے تو کیا روس اور انگلستان کے لئے آئیڈیل ہے؟ ہرگز نہیں! یہ لوگ حماسی ہیں یعنی خودغرض قسم کا ایک حماسہ ان کے اندر پایا جاتا ہے، ایک بڑا خودغرض ہے، ایک بڑا خود پرست ہے، ایک بڑا جاہ طلب ہے (چھوٹے چھوٹے جاہ طلبوں کے مقابلے میں بڑے بڑے جاہ طلب بھی دنیا میں پیدا ہوتے ہیں) لیکن یہ حماسے مقدس حماسہ شمار نہیں

ہوتے۔

حسینی حماسہ ہر تعصب سے بالاتر:

مقدس حماسہ میں کچھ اور خصوصیات ہوتی ہیں جو میں عرض کرتا ہوں۔ ایسی خصوصیات جن کی رو سے نپولین اور سکندر مقدس حماسہ نہیں ہو سکتے۔ مقدس حماسہ وہ شخص ہوتا ہے جس کی روح میں خود اپنے ہی لیے لہر نہیں اُٹھتی، اپنے براعظم یا اپنی مملکت کیلئے لہر نہیں اُٹھتی۔

بنیادی طور پر جس چیز کو دیکھ نہیں پاتا، جس پر اس کی نظر نہیں پڑتی وہ اس کی ذات یا شخصیت ہوتی ہے وہ صرف حق اور حقیقت کو دیکھتا ہے اور اگر ہم اسے بہت چھوٹا کر کے بھی کہنا چاہئیں تو ہم کہنا چاہیں تو ہم کو کہنا چاہئے کہ وہ بشریت کو دیکھتا ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت حماسی آیت ہے: "قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللهِ"۔ (آل عمران۔ ۶۴)، اے اہل کتاب اے لوگو! جو مذہب کا دعویٰ رکھتے ہو آؤ باہم ایک بات طے کر لیں، آؤ ہم اپنے آپ کو بھول جائیں اور صرف اپنے عقیدے کو دیکھیں، آؤ ایک عقیدے کی خاطر اپنے آپ کو فراموش کر دیں۔ آؤ ایک بات کو اپنا نظریہ بنا ڈالیں۔ "أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللهَ" اللہ کے سوا کسی موجود کو عبادت کے لائق نہ سمجھیں۔ "وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللهِ" ۔ آؤ فائدہ اٹھانا چھوڑ دیں۔ کورانہ عبادت چھوڑ دیں، آدم پرستی چھوڑ دیں، انسانوں کے درمیان عدل و مساوات قائم کریں، نہ میری قوم نہ تیری قوم ہم ساتھ مل جائیں تو ایک پہلو جس سے یہ حماسہ مقدس بنتا ہے اس کا مقصد پاک اور پاکیزہ ہو، روشن سورج کی طرح ہو جو سب انسانوں اور سب مخلوقات پر چمکتا ہے۔

قیام حسینؑ ظلمت و گمراہی میں نور کا شعلہ:

اس قسم کے قیاموں اور تحریکوں کے تقدس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ خاص حالات میں جب کسی شخص کو گمان بھی نہیں ہوتا وجود میں آجاتی ہے یعنی کہ بہت ہی گھپ اندھیرے میں اچانک ایک شعلہ سا لپک جاتا ہے۔ گہری تاریکی میں ایک چنگاری یا دیئے کی سی لو یا سخت ظلم و ستم میں انصاف کی ایک فریاد اٹھتی ہے۔ سکون میں ایک حرکت سی ہو جاتی ہے جبکہ ہر شے ٹھہری ہوئی اور ڈری سہمی ہوئی ہوتی ہے۔ موت کے سے سناٹے میں جیسے ایک چیخ سنائی دے مثلاً نمرود پیدا ہو جاتا ہے کہ ایک شخص کو باقی نہیں چھوڑے

گا اور اسی دور میں حضرت ابراہیمؑ کی مقدس تحریک اُٹھتی ہے "إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا" (بے شک ابراہیمؑ ایک مستقل امت اور اللہ کے اطاعت گذار بندے تھے)۔(نحل۔۱۲۰)، یا فرعون پیدا ہوتا ہے جیسا کہ قرآن فرماتا ہے: "إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ" (قصص۔۴)، اس فرعون نے ایک گروہ کو عاجز کر رکھا تھا ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا اور عورتوں کو زندہ رکھتا تھا) اسی زمانے میں موسیٰؑ پیدا ہوتے ہیں۔ یا خاتم الانبیاءؐ کی بعثت کے زمانے میں جب پوری دنیا تاریکی، خاموشی اور فتنہ وفساد میں ڈوبی ہوئی تھی یکا یک "قولو

الا الله اله الا الله تفلحوا" کی آواز بلند ہوجاتی ہے۔ بنی اُمیہ کی حکومت ہے، تمام قوتیں اپنے فائدے کیلئے استعمال ہورہی ہیں یہاں تک کہ مذہب کی قوت بھی۔ اس طریقے سے کہ ایسے محدث ملازم رکھ لئے گئے ہیں جو خدا سے غافل ہیں ان کو رقمیں دی جاتی ہیں تاکہ حکومت کے فائدے کی حدیثیں گھڑلیں ۔ کہتے ہیں کہ ایک اموی عالم نے کہا تھا: ان الحسین قتل بسیف جدہ، حسینؑ اپنی نانا کی تلوار سے قتل ہوئے اور اس سے مراد یہ تھی کہ (نعوذ باللہ) حسینؑ اپنے جد کے دین کے حکم سے قتل ہوئے۔ لیکن یہ کہتا ہوں یہ بات ایک اور معنی میں ٹھیک ہے؟ اور وہ یہ کہ بنی اُمیہ کیلئے یہ ممکن ہوگیا کہ وہ اسلام سے اس قدر ناجائز فائدہ اُٹھائیں، اپنے کام میں لائیں اور اذہان کو اس طرح تبدیل کردیں کہ لوگوں کی ایک جماعت خدا سے غافل ہوکر جہاد اور اسلام کی خدمت کے نام سے حسینؑ سے لڑنے آجائیں۔ و کل یتقربون الله بدمه۔ (عمر ابن سعد کے لشکر کے تمام لوگ امام حسین کو قتل کر کے قرب الٰہی کے طلبگار تھے) حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد اس کام کے شکرانے میں کتنی ہی مسجدیں بنائی گئیں۔ ذرا غور تو کیجئے کتنا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ان حالت میں شعلہ حسینی جیسا ایک شعلہ پیدا ہوجاتا ہے۔ ان حالات کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں ایک جملہ بھی لکھنا چاہتا مثلاً وہ کہتا ہے کہ میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں سنا ہے یا میں حضرت علی علیہ السلام سے فلاں قصہ یا فلاں خطبہ نقل کرنا چاہتا ہوں تو لوگ اس کمرے میں جاتے جہاں صندوق رکھے جاتے تھے۔ پھر دروازہ اندر سے بند کردیتے تھے۔ اس کے بعد جو شخص جملہ نقل کرنا چاہتا تھا اسے سخت قسمیں دیجاتی تھیں کہ اس شرط پر جملہ نقل کررہا ہوں کہ تم اور کسی کو

نقل نہیں کرو گے بجز اس شخص کے جو تمہارے اندازے کے مطابق قابل اعتماد ہو اور تم اسے بھی ایسی ہی قسم دو گے کہ وہ کسی نا قابل اعتبار شخص کو نقل نہ کرائے۔

حسینی تحریک رشد فکری اور روح کی عظمت:

حسینی تحریک کے تقدس کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ اس میں رشد، فکری ارتقاء اور گہری سوجھ بوجھ ہے یعنی یہ قیام اور حماسہ اس لحاظ سے مقدس ہو جاتا ہے کہ قیام کرنے والا جو کچھ دیکھ لیتا ہے اسے دوسرا دیکھ نہیں پاتا۔ مثل مشہور ہے " جسے دوسرے آئینے میں بھی نہیں دیکھ پاتے وہ اسے کچی اینٹ میں بھی دیکھ لیتا ہے "۔ اپنے کام کا نتیجہ دیکھ لیتا ہے۔ اس کی منطق سماج کے لوگوں کی منطق سے مافوق ہوتی ہے۔ ابن عباسؓ، ابن حنفیہ، عبداللہ بن عمر اور بہت سے لوگوں نے نہایت خلوص نیت سے حسین بن علیؑ کو کربلا جانے سے منع کیا تھا۔ وہ اپنے منطق کی روح سے اس بات کا حق رکھتے تھے یعنی منع کرنے میں حق بجانب تھے لیکن وہ اپنی سطح سے دیکھ رہے تھے۔ امامؑ جو دیکھ رہے تھے انہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ نہ وہ حسین بن علیؑ کے برابر پر خطر حالات کا احساس کر پا رہے تھے اور نہ یہ سمجھ سکتے تھے کہ اس نہضت کا آگے چل کر کتنا بڑا اور اہم نتیجہ نکلے گا لیکن حسین ابن علیؑ کو بالکل واضح طور پر نظر آ رہا تھا۔ آپ نے کتنی ہی بار کہا تھا: خدا کی قسم! یہ لوگ مجھے مار ڈالیں اور خدا کی قسم میرے قتل ہونے کے ساتھ ہی ان کے اطوار بالکل الٹ پلٹ جائیں گے۔ یہ تھی اس عظیم ہستی کی دور اندیشی۔ حسین بن علی علیہ السلام ایک عظیم مقدس روح ہیں۔ بنیادی طور پر جب روح بڑی ہوتی ہے تو بدن کو تکلیف اُٹھانی ہوتی ہے اور جیسے ہی روح گھٹی بدن کو راحت اور قرار مل جاتا ہے۔ یہ اپنی جگہ ایک حساب ہے۔ ابن عباسؓ اور دوسرے لوگ منع کرتے رہیں تو کیا امام حسینؑ کی روح اجازت دیتی ہے۔ عرب کے مشہور شاعر متنبی نے بہت عمدہ شعر کہا ہے۔ وہ کہتا ہے:

و اذ کانت النفوس کباراً تعبت فی مراد ها الا جسام

وہ کہتا ہے کہ روح عظیم ہو جائے تو جسم کو اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں رہتا کہ وہ روح کا اتباع کرے۔ تکلیف اُٹھائے اور ملول ہو لیکن صغیر روح جسمانی خواہشات کے پیچھے پیچھے چلتی ہے۔ جسم جس بات کا اسے حکم دیتا ہے وہ بجالاتی ہے۔ صغیر روح جسم کی خاطر ایک چھوٹے سے لقمے کے پیچھے بھی جاتی ہے چاہے بھیک مانگے اور خوشامد کرنے ہی کا طریقہ کیوں نہ ہو۔ صغیر روح اس کے لئے ذلت اور

توہین برداشت کرلیتی ہے کہ اس کے گھر میں قالین یا فرنیچر ہوجائے۔آرام ہوجائے،میٹھی نیند کا انتظام ہوجائے لیکن عظیم روح جسم کو جو کی روٹی کھلاتی ہے پھر اسے اور بھی زیادہ بلند کردیتی ہے اور کہتی ہے، راتوں کو جاگ جاگ کر عبادت کیا کر جس وقت عظیم روح اپنے فریضے سے چھوٹی سے چھوٹی کوتاہی بھی دیکھتی ہے تو جسم سے کہتی ہے اس سر کو اس تنور میں رکھ تا کہ تجھے اس کی گرمی کا اندازہ ہو اور تو پھر یتیموں اور بیواؤں کے امور میں کوتاہی نہیں کرے گا۔(امام علیؑ کے مشہور واقعہ کی طرف اشارہ)

عظیم روح اللہ سے طلب کرتی ہے کہ وہ الٰہی اہداف اور عظیم انسانیت کے اہداف کی خاطر قتل ہوجائے۔سر میں تلوار اتر جائے تو خدا کا شکر ادا کرتی ہے۔روح جب عظیم ہوجاتی ہے تو صاحب روح کو روز عاشور جسم پر تین سو زخم پر تعرض نہیں ہوتا۔وہ جسم جو گھوڑوں کی ٹاپوں میں پامال ہوجاتا ہے، وہ روح کی عظمت کا تاوان ادا کرتا ہے۔ایک حماسے کا جرمانہ بھرتا ہے۔حق پرستی کا تاوان بھگتتا ہے۔شہید روح کا صدقہ دیتا ہے۔

شہادت کی حقیقت اور عظمت شہداء:

جس وقت روح عظیم ہوجاتی ہے جسم سے کہتی ہے میں اس خون سے قیمت ادا کرنا چاہتی ہوں۔شہید کسے کہتے ہیں؟ ایک دم میں کتنے انسان مارے جاتے ہیں مثلاً ہوائی جہاز گر پڑتا ہے اور کئی افراد مر جاتے ہیں۔انہیں شہید کیوں نہیں کہتے؟ شہید کے لفظ کے گرد تقدس نے گھیرا کیوں ڈال رکھا ہے؟ کیونکہ شہید وہ شخص ہوتا ہے جس کی روح عظیم ہوتی ہے۔وہ روح جو مقدس ہدف رکھتی ہے،شہید وہ شخص ہوتا ہے جو عقیدے کی خاطر مارا جائے۔وہ شخص ہوتا ہے جس نے اپنے لئے کوئی کام نہیں کیا، وہ شخص ہے جس نے حق،حقیقت اور فضیلت کی راہ میں قدم رکھا ہے۔شہید اپنے خون سے قیمت چکاتا ہے جس طرح ایک شخص اپنی دولت سے قیمت ادا کرتا ہے اور بینکوں میں اپنی دولت کو جمع کرنے کے بجائے اسے کسی نیک کام میں خرچ کردیتا ہے جس کے ایک ایک روپے کی قیمت معنوی اعتبار سے لاکھوں روپے ہوتی ہے، اپنی دولت کسی رفاہ عامہ کے ادارے میں علم،مذہب یا اخلاق کے فائدے کیلئے لگا دیتا ہے اور اس عمل سے وہ قیمت ادا کرتا ہے۔دوسرا اپنی سوچ بچار سے قیمت چکاتا ہے۔اپنے آپ کو تکلیف دے کر کوئی فائدہ بخش اور علمی نوعیت کی کتاب تصنیف کردیتا ہے۔ایک اور شخص اپنے فنی

ذوق سے کام لیتا ہے اور انسان کیلئے کوئی صنعت کھڑی کر دیتا ہے۔

ایک اور شخص اپنے خون سے قیمت چکا تا ہے، انسانیت کی بھلائی کیلئے اپنی جان نثار کرتا ہے۔ کس نے زیادہ خدمت کی ہے؟ شاید آپ یہ خیال کریں کہ عالموں، موجدوں، نئی دریافت کرنے والوں اور دولت مندوں نے انسان کی زیادہ خدمت کی، نہیں! شہیدوں کے برابر کسی نے بھی انسانیت کی خدمت نہیں کی کیونکہ یہی لوگ ہیں جو انسان کیلئے انصاف کا ماحول قائم کرتے ہیں تا کہ عالم اپنے علمی کام میں مصروف رہے، ایجاد کرنے والا (موجد) اطمینان سے اپنی ایجاد کے کام میں لگا رہے، سوداگر سوداگری کرتا رہے، طالبعلم پڑھتا رہے اور ہر شخص اپنا کام کرتا رہے، وہی ہے جو دوسروں کیلئے ایک ماحول پیدا کرتا رہے۔ اس کی مثال چراغ اور بجلی کی سی ہے۔ اگر چراغ یا بجلی نہ ہو تو ہم تم کیا کام کر سکتے ہیں؟

قرآن کریم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چراغ سے تشبیہہ دیتا ہے۔ چراغ اس لئے درکار ہوتا ہے کہ تاریکیاں چھٹ جائیں اور ہر شخص اپنے اپنے کام میں مشغول رہ سکے۔ خدا بخشے ہمارے زمانے کے شاعر پروین اعتصامی نے کتنی عمدہ بات کہی۔ وہ شاہد اور شمع کی زبان سے کہتا ہے: ایک محبوبہ، ایک حسینہ ساری رات یہاں تک کہ صبح ہوگئی شمع کے پاس بیٹھی اپنا ہنر دکھاتی رہی، پھول پروتی رہی، کاریگری کرتی رہی، جب اپنے کاموں سے فارغ ہوئی تو شمع سے مخاطب ہو کر بولی تو نہیں جانتی کہ میں نے کل رات کو کیا کیا کام کر ڈالے۔

شاهدے گفت به شمع کامشب درو دیوار مزین کردم
دیشب از شوق نه خفتم یک دم دو ختم جامه و برتن کردم
کس نه دانست چه سحر آمیزی به پرند ازنخ و سوزن کردم
تو بگرد هنر من نرسی زانکه من بزل سروتن کردم

یعنی میں نے اپنے جسم و جان کیلئے اپنا ہنر صرف کیا، شمع نے بھی اس کو جواب دیا:

شمع خند ید که بس تیره شدم تاز تا یکیت ایمن کردم
پئے پیوند گهر هائے تو بس گهرا شک به دامن کردم

تو کہتی ہے کہ میں نے صبح تک موتی پروئے لیکن یہ میرے آنسو کے موتے تھے جو صبح تک ٹپکتے رہے تب جا کر تو ان موتیوں کو ایک دھاگے میں پرو کر اپنے گلے میں ڈال سکی۔

خرمن عمر من ار سوختہ شد حاصل شوق تو جز من کردم

میں وہ ذات ہوں جو صبح تک جلتی اور چمکتی رہی جس کی بدولت تو اپنی مراد اور مقصد کو پہنچی۔ پھر کہتی ہے:

کار ھائے کہ شمر دی برمن تو نہ کردی ھمہ رامن کردم

جو کام تم گن رہی ہو وہ تم نے انجام نہیں دیئے، دراصل وہ میں نے انجام دیئے ہیں۔

ابن سینا نے کتاب "قانون" نہیں لکھی۔ محمد بن زکریا نے "الحاوی" نہیں لکھی، سعدی نے "گلستان" اور "بوستان" میں اپنا شوق پورا نہیں کیا۔ اسی طرح مولانا ورم نے شہداء کی روشنی کی بدولت ان لوگوں کی بدولت جنہوں نے اسلام کے عظیم تمدن کی بنیاد رکھی، انسانیت کی راہ کی رکاوٹیں دور کیں۔ ان لوگوں کی بدولت جو تاریکیوں میں شعلوں کی طرح چمکے اور اپنی جانیں فدا کر گئے۔ ان کی بدولت جن کا وجود سراسر الٰہی حماسہ تھا۔ جن کا پورا وجود حق خواہی اور حق پرستی تھا۔ ان کی بدولت جنہوں نے دنیا میں توحید کا پرچم لہرایا اور جھنڈا گاڑ دیا۔ جنہوں نے عدالت کی منادی کی، جنہوں نے حریت اور آزادی آواز بلند کی۔ ہم تم جو جو یہاں بیٹھے ہیں ان کے خون کے قطروں کے مقروض ہیں، ان کے حماسوں کے مقروض تھے۔ حسین ابن علیؑ کا وجود سراسر حماسہ تھا۔

امام علیؑ مظہر شجاعت و مردانگی:

ماہرین نفسیات خصوصاً سوانح عمریاں لکھنے والے لکھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ مختلف ذہنوں کیلئے ایک کلیدی نقطہ دریافت کرلیں۔ کہتے ہیں کہ ہر شخص کی ذات کا ایک مقررہ کلیدی نقطہ ہوتا ہے۔ اگر وہ معلوم ہو جائے تو آپ اس کی پوری زندگی کی تشریح اور توجیہ کر سکتے ہیں لیکن لوگوں کا یہ کلیدی نقطہ حاصل کرنا بہت دشوار ہوتا ہے خصوصاً بڑی شخصیتوں کا۔ مصر کے دانشمند مفکر عباس محمود عقاد نے "عبقریۃ الامام" نامی ایک کتاب لکھی ہے جس میں وہ اظہار خیال کرتا ہے کہ میں نے حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت کا محور فروسیت میں پایا ہے۔ حضرت علیؑ کی ایک ایسی شخصیت ہے جس کی پوری زندگی میں خواہ لڑائی کے میدان میں ہو، گھر کی چار دیواری میں ہو، محراب عبادت میں ہو، حکومت کے تخت پر ہو۔ غرض ہر جگہ مردانگی کا جوہر ملتا ہے۔ فروسیت کے معنی ہیں مردانگی اور مردانگی شجاعت سے بالاتر ہوتی

ہے۔ وہ کہتا ہے کہ حضرت علیؑ کی شخصیت کا محور مردانگی ہے۔ اس سے سات سو سال پہلے مولانا روم نے بھی اس نکتے کا سراغ لگایا تھا کہ حضرت علیؑ میں شجاعت سے بالاتر کسی چیز کا وجود ہے۔

اس مشہور قصے میں جب حضرت علیؑ نے دشمن کو بچھاڑ کر چاہا کہ اسے قتل کر ڈالیں تو اس شخص نے حضرت علی علیہ السلام کے منہ پر تھوک دیا تھا۔

حضرت علی علیہ السلام نے اسے نہیں مارا بلکہ چھوڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور بعد میں چاہا کہ اس کا سر قلم کریں تو اس شخص نے پوچھا تم نے مجھے پہلے ہی کیوں نہیں قتل کیا؟ آپؑ نے جواب دیا: چونکہ مجھے غصہ آ گیا تھا، میں نے نہیں چاہا کہ اپنے غصے کے زیر اثر ہاتھ چلاؤں بلکہ یہ چاہا کہ تجھے خدا کی خوشنودی اور خلقت خدا کے کلی مقاصد کی خاطر قتل کروں۔ مولانا روم نے یہ قصہ بہت خوبی سے نظم کیا ہے۔ اس نظم کے ان شعروں سے بہتر شعر حضرت علی علیہ السلام کی مداح میں میرے خیال میں نہیں کہے جا سکے۔ وہ کہتے ہیں:

تو ترازوے احد خو بودہ ای
بل زبانۂ ہر ترازو بودہ ای
در شجاعت شیر ربّا نیستی
در مروّت خود کہ داند کیستی

دوسرے شعر میں جو میرے پیش نظر ہے کہتے ہیں:

آپ شجاعت میں اسد اللہ ہیں لیکن مروت اور مردانگی میں شجاعت سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ آپ کی کوئی تعریف نہیں کر سکتا۔ آپ تعریف سے بالاتر ہیں۔ یہ مصری شخص بھی اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کے عقیدے کی رو سے حضرت علی علیہ السلام کی کلید مروّت ہے یعنی مردانگی۔

اس بات کا دعویٰ کہ کوئی یہ کہے کہ میں نے علی علیہ السلام، حضرت حسین بن علی علیہ السلام جیسی شخصیت کی کلید کو معلوم کر لیا ہے۔ انصاف کی رو سے فضول اور لغو دعویٰ ہے۔ مجھے ایسی بات کہنے کی تو جرأت نہیں ہے لیکن اتنا دعویٰ ضرور کر سکتا ہوں جہاں تک میں نے امام حسین علیہ السلام کو پہچانا ہے، ان کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے، ان کا کلام جمع کیا ہے، جو بدقسمتی سے بہت کم میرے ہاتھ لگا ہے اور جہاں تک میں نے عاشورہ کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے جو خوش قسمتی سے بہت مستحکم ہے اور میں نے امام

حسین علیہ السلام کے خطبات، نصائح اور نعرے اکٹھے کئے ہیں، میں یوں کہہ سکتا ہوں کہ میرے خیال سے حسین علیہ السلام کی شخصیت کا کلیدی نقطہ حماسہ ہے، شور ہے، بزرگی ہے، سختی ہے، شدت ہے، قیام ہے، حق پرستی ہے۔

کلام امام حسین علیہ السلام آپ کی حماسی شخصیت کا آئینہ دار:

حسین ابن علی علیہ السلام کی جو باتیں نقل کی گئی ہیں وہ کمیاب ہیں لیکن جتنی بھی ہیں اس روح کی نشان دہی کرتی ہیں۔ حسین بن علیؑ سے لوگوں نے پوچھا: آپؑ نے اپنے کانوں سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو باتیں سنی ہیں وہ ہم سے بیان کر دیجئے۔ دیکھئے! پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں سے امام حسین علیہ السلام کا انتخاب کیسا ہے۔ آپ اسی سے ان کی شخصیت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: میں نے جو کچھ پیغمبر اکرمؐ سے سنا ہے وہ یہ ہے: "**ان اللہ تعالیٰ یحب معالی الامور و اشرافھا و یکرہ سفسافھا**"۔ خدا بڑے اور بلند کام پسند کرتا ہے اور پست چیزیں ناپسند کرتا ہے۔ بلندی اور بزرگی کو دیکھئے کہ جب آپ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں بیان کرنا چاہتے ہیں تو اسی بلندی سے متعلق باتیں منتخب کرتے ہیں۔ حقیقت میں وہ اپنی شخصیت کا اظہار کرتے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام کی بعض باتیں جو ہم تک پہنچی ہیں اور وہ بہت کم ہیں اور ان کا عاشور کے سانحے سے بھی کوئی ربط نہیں ہے۔ یہ اس سے پہلے کی ہیں اور ان کا عاشور سے واسطہ نہیں ہے۔ ایک اور قول یہ ہے "**موت فی عزّ خیر من حیاۃ فی ذل**" (عزت کی موت، ذلت کی موت سے بہتر ہے)۔ ایک اور جملہ جو آپؑ سے نقل کیا گیا ہے یہ ہے: "**ان جمیع ماطلعت علیہ الشمس فی مشارق الارض و مغربھا بحرھا و برھا و سھلھا و جبلھا عند ولی من اولیاء اللہ و اھل المعرفۃ بحق اللہ کفیئی الظلال**"۔ یہاں آپ یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ جو شخص الٰہی حماسہ رکھتا ہے اس میں اور دوسروں میں کیا فرق ہوتا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ وہ تمام اشیاء جن پر سورج چمکتا ہے، تمام دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، اس کے سمندر، خشکی، پہاڑ، میدان اس شخص کے نزدیک جس نے اپنے اللہ کی عظمت کو سمجھ لیا اور خدا کی درگاہ میں خود کو سپرد کر دیا، ایک سائے کی طرح ہے۔ پھر کہتے ہیں: "**الا حر یدع ھذا اللماظۃ لاھلھا**" کیا کوئی ایسا آزاد مرد پیدا نہیں ہوتا جو دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو؟ دنیا و مافیہا اس شخص کیلئے جو اپنے آپ

کو اس کا غلام بنانا چاہتا ہے۔ اس کا لالچ رکھتا ہے اور اسے اپنے کام کا مقصد سمجھتا ہے لماظہ کی طرح ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ لماظہ کیا چیز ہے؟ انسان جب کھانا کھاتا ہے تو اس کے دانتوں میں کوئی چیز مثلاً گوشت کا ریشہ پھنس جاتا ہے جسے وہ خلال سے نکال دیتا ہے اسے لماظہ کہتے ہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے نظریئے کے مطابق یزید، یزید کی سلطنت، دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے لماظہ ہے۔ پھر فرماتے ہیں: اے لوگو! دنیا میں خدا کے سوا اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کی اتنی قیمت ہو کہ تم اس کیلئے اپنی جان اور ذات بھی بیچ دو۔ اپنے آپ کو نہ بیچو، آزاد رہو، خود فروش نہ بنو۔

دوسرا جملہ "**الناس عبید الدنیا**" لوگوں کی غلامی کی تحقیر یوں کرتے ہیں کہ لوگوں میں عیب یہ ہے کہ وہ دنیا کے غلام ہیں۔ غلام صفت ہیں، اپنی خواہشات کے غلام ہیں، اسی لئے دین جو آزادی کی روح ہے اور انسان کو غیر خدا سے آزاد کرتا اور حقیقت کا بندہ بناتا ہے اس کی روحوں کی گہرائیوں میں نہیں اترپایا ہے۔ "**والدین لعق علی السنتھم یحوطونہ ما درت معائشھم فاذا محصوا بالبلا، قل الدّیّانون**"۔

خلیفہ عثمان، حضرت ابوذر غفاریؓ کو جلاوطن کر کے اعلان کر دیتے ہیں کہ کوئی بھی اس شخص کی مشایعت نہ کرے کیونکہ یہ حکومت کی نظر میں مجرم ہیں لیکن حضرت علی علیہ السلام خلیفہ کے اس حکم کی پروا نہیں کرتے اور حضرت حسن و حسین علیہم السلام کے ہمراہ ان کی مشایعت کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کچھ جملے کہتا ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام بھی ایک جملہ کہتے ہیں جس میں ان کی روح کا عکس نظر آتا ہے۔ حضرت ابوذرؓ، حضرت علی علیہ السلام کے شیعہ ہیں اور عمر میں حضرت علی علیہ السلام کے برابر ہیں بلکہ شاید حضرت علی علیہ السلام سے بھی کچھ بڑے ہونگے۔ اس لیے امام حسینؑ ان کو چچا کہہ کر مخاطب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چچا جان! آپ کو میری نصیحت ہے: "**اسئل اللہ الصبر و النصر و استعذ بہ من الجشع و الجزع**"۔ چچا جان! خدا سے صبر اور نصرت طلب کیجئے۔ حرص اور بے صبری سے اللہ کی پناہ مانگئے۔ چچا جان! آپ کیلئے میری وصیت یہی ہے کہ آپ ظلم اور دباؤ کے مقابلے میں کمزوری نہ دکھایئے۔ یہ کیسی ذہنیت ہے کہ آپ کی تمام باتوں میں وہ روح جلوہ گر ہے جس سے ہم غافل ہیں۔ آپ نے پہلی بات یہ کہی: "**خط الموت علی ولد آدم مخط القلادۃ علی جید الفتاۃ وما اولھنی الیٰ اسلافی اشتیاق یعقوب الیٰ**

۔"

موت بنی آدم کیلئے ایسی ہے جیسے، عورت کیلئے گلوبند اور میں اپنے اسلاف سے ملنے کا اسی طرح مشتاق ہوں جس طرح یعقوبؑ یوسفؑ کیلئے۔ کربلا جاتے ہیں بعض لوگ آپؑ سے کہتے ہیں کہ نہ جایئے، خطرہ ہے اور امام حسین علیہ السلام جواب میں یہ شعر پڑھتے ہیں۔

سامضی و ما بالموت عار علی الفتی
و اذا ما نوی حقا و جاهد مسلماً
و واسیٰ الرجال الصالحین بنفسه
و فارق مشبوراً و خالف مجرماً
أقدم نفسی لا ارید بقائها
لتلقیٰ خمیساً فی الهیاج عر مرماً
فان عشت لم اندم و ان مت لم الم
کفیٰ بک ذلاً ان تعیش و ترغما

"مجھ سے یہ نہ کہو کہ نا جا، میں ضرور جاؤں گا، تم کہتے ہو کہ میں قتل ہو جاؤں گا تو کیا کسی بہادر کیلئے مرجانا شرم کی بات ہے؟ مرنا اس وقت باعث شرم ہوتا ہے جب انسان کا نصب العین پست اور حقیر ہو اور وہ چاہے کہ ملکیت اور حکمرانی کیلئے مارا جائے کیونکہ ایسے شخص کیلئے لوگ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اپنی مراد کو نہیں پہنچا لیکن اس شخص کیلئے باعث شرم نہیں ہے جو کلمۂ حق کہنے کے باعث حق کی راہ میں مارا جائے کیونکہ ایسی راہ میں قدم رکھتا ہے جس پر خدا کے صالح اور شائستہ بندے چلے آرہے ہیں"۔

پس جب وہ ایسی راہ پر قدم رکھتا ہے جہاں یزید جیسے بدبخت، شقی اور گناہگار شخص کی مخالفت کرتا ہے تو اسے قتل ہو جانے دو۔ تم کہتے ہو میں مارا جاؤں گا تو ان دو صورتوں میں سے ایک صورت ہوگی یا میں زندہ رہوں گا یا میں مارا جاؤں گا۔ "فان عشت لم اندم" اگر زندہ رہے تو کوئی یہ نہیں کہے گا کہ تم کیوں زندہ رہے؟ " و ان مت لم

"اور

اگر اس راہ میں مارا گیا تو دنیا میں کوئی بھی مجھے ملامت نہیں کرے گا۔ اگر یہ جان لے گا کہ میں نے کون سی

راہ اختیار کی ہے۔ "**کفیٰ بک ذلاً تعیش و ترغماً**" تمہاری بدبختی اور ذلت کیلئے یہی کافی ہے کہ تم زندہ رہو اور تمہاری ناک کو خاک پر رگڑا جائے۔" پھر آپ دیکھیں گے کہ یہ حماسہ ہے، راستے میں بھی خطبہ پڑھتے ہیں اور فرماتے ہیں: کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا اور باطل سے نہیں روکا جا رہا "۔ پھر اس کے آخر میں فرماتے ہیں: "**انی لا اری الموت الا سعادۃ و لا الحیوۃ مع الظالمین الا برما**" میں مرنے کو اپنے لیے سعادت جانتا ہوں اور ظالموں کے ساتھ زندہ رہنے کو موجب ملامت سمجھتا ہوں۔

امام حسین علیہ السلام کی زندگی کے آخری لمحات اور آپؑ کا عزم وسکون:

اگر میں امام حسین علیہ السلام کی تمام باتیں بیان کروں تو بہت طول ہو جائے گا۔ اس لیے میں شب عاشور کی بات کرتا ہوں اور ایک ایسے نکتے کی طرف اشارہ کرتا ہوں جس پر عموماً بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔ جو انسان اور جو تاریخی شخصیت ایسے حالات میں گھر جاتی ہے جیسے حسین بن علی علیہ السلام شب عاشور گھرے ہوئے تھے یعنی ایسے حالات میں جبکہ دشمن پر ظاہری غلبہ پانے کی تمام راہیں بند ہو چکی ہوں اور اسے اس بات کا قطعی یقین ہو گیا ہو کہ اب وہ اور اس کے ساتھی دشمن کے ہاتھوں قتل ہو جائیں گے، وہ زبان سے شکایت کر اُٹھتی ہے اور تاریخ اس کی گواہی دیتی ہے۔ لوگ ایسے جملے کہنے لگتے ہیں: اس دنیا پر لعنت ہے، افسوس یہ ہے کہ قدرت نے میری مدد نہیں کی، کہتے ہیں جس وقت نپولین ماسکو میں ایسے ہی حادثے سے دوچار ہوا تو اس نے کہا: افسوس قدرت نے چند گھنٹے تک میری مخالفت کی، پھر وہ ہاتھ مل کر کہتا ہے: اے دنیا تیرا منہ کالا ہو جائے کہ تو نے میری یہ حالت کر دی۔

لیکن حسین ابن علی علیہ السلام اپنے دوستوں کو یوں جمع کرتے ہیں جیسے ہر کامیاب شخص سے زیادہ ان میں زندگی کا جوش بھر گیا ہو اور فرماتے ہیں: "**اثنی علی اللہ احسن الثناء و احمدہ علی السراء و الضّرا اللھم انی احمدک علی ان اکرمتنا بالنبوۃ و علّمتنا القرآن و فقھتنا فی**

"میں

اللہ کی بہترین ثنا کرتا ہوں اور اس کی حمد کرتا ہوں۔ اے اللہ میں تیری حمد کرتا ہوں کہ تو نے ہمیں نبوت کے ذریعے کرامت بخشی اور ہمیں قرآن اور اپنے دین کا علم عطا کیا۔ گویا تمام ماحول ان کیلئے سازگار ہے اور واقعی سازگار بھی تھا۔ یہ حالات ایسے شخص کیلئے ناموافق ہیں جس کا مقصد دنیاوی حکومت ہو لیکن اس

شخص کیلئے جو حکومت بلکہ ہر چیز کو حق اور حقیقت کی خاطر چاہتا ہوں اور یہ دیکھتا ہو کہ اس نے اسی راہ میں قدم رکھا ہے۔ ماحول ساز گار ہے وہ خدا کے شکر و سپاس کے علاوہ اور کسی چیز کی طرف دھیان نہیں دیتا۔ امام حسین علیہ السلام کا روز عاشور کا ایک نعرہ یہ ہے:

الموت اولی من رکوب العار والعار اولی من دخول النار

آخری لمحات تک آپؑ کا عمل، آپؑ کی حرکات و سکنات، آپؑ کی باتیں، سب کی سب حق، حق پرستی اور حماسہ کی ایک لہر ہے۔ نو محرم کا دن گذرنے کے بعد آپ فرماتے ہیں: "**واللہ لا اعطیکم بیدی اعطاء الذلیل و لا افر فرار العبید**"

"خدا کی قسم میں ہرگز نہ تمہاری اطاعت کی ذلت اختیار کروں گا اور نہ غلاموں کی طرح بھاگوں گا"۔ میں اس وقت تک مردانہ وار مقابلہ کرتا رہوں گا جب تک کہ میں قتل نہ ہو جاؤں۔ ان آخری گھڑیوں میں بھی امام حسین علیہ السلام وہی ہیں۔ آپ ہرگز یقین نہ کیجئے کہ امام حسین علیہ السلام نے یہ جملہ کہا ہوگا "**اسقونی شربۃ من الماء فقد نشط کبدی**" (مجھے پانی کا گھونٹ دے دو میرا کلیجہ جل رہا ہے) میں نے یہ جملہ کہیں نہیں دیکھا۔ امام حسین علیہ السلام اس قسم کی درخواست نہیں کر سکتے تھے بلکہ وہ دشمن کے لشکر کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور بلند آواز سے فرماتے ہیں: "**وانّ الدعی ابن الدعی قدر کز بین اثنین بین السلۃ و الذلّۃ و ھیھات منّا الذلۃ یا بی اللہ ذالک لنا و رسولہ والمومنون و حجور طابت و طھرت**" "اے کوفہ والو! اس ناہنجار ابن ناہنجار، اس ولد الزنا ابن ولد الزنا، تمہارے امیر (ابن زیاد) تمہارے حاکم مطلق نے اس نے جس کے حکم سے تم یہاں آئے ہو مجھ سے کہلوایا ہے کہ میں دو کاموں میں سے ایک کام اختیار کر لوں یا لڑوں یا ذلیل ہو جاؤں۔ کیا میں ذلت اختیار کروں؟ میں ہرگز ذلت برداشت نہیں کروں گا۔ میں تلوار کے سامنے ڈٹ جاؤں گا لیکن اپنی روح کو ذلیل نہیں ہونے دونگا۔ میں نے جس خدا کی خوشنودی کیلئے قدم اُٹھایا ہے وہ اس کیلئے رضامند نہیں ہے اور مجھ سے کہتا ہے کہ ایسا نہ کر۔ جس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرتا ہوں وہ کہتا ہے کہ ایسا مت کر، جس کی آغوش میں پل کر بڑا ہوا ہوں، حضرت علی علیہ السلام کی گود جن کے زانوؤں پر میں بیٹھا ہوں مجھ سے کہتی ہے اپنے آپ کو ذلیل نہ کر۔

یہ ایک حماسہ ہے لیکن شخصی یا قومی حماسہ نہیں ہے۔ اس میں انانیت نہیں ہے، اس میں غرور نہیں

ہے، خدا پرستی ہے۔ عاشور کے دن امام حسین علیہ السلام آخر تک مقابلہ کرتے ہیں، پھر وہ وقت آتا ہے جو آپ کے بدن کو قوت بالکل زائل ہو جاتی ہے۔ ایک تیر انداز زہر میں بجھا ہوا تیر کمان میں جوڑ کر حسین علیہ السلام کی جانب پھینکتا ہے جو آپؑ کے سینے میں پیوست ہو جاتا ہے اور آپؑ نے بے اختیار زمین پر گر پڑتے ہیں۔ اس وقت کیا فرماتے ہیں؟ کیا اس وقت بھی اطاعت کی ذلت اختیار کرتے ہیں؟ کیا کوئی خواہش کرتے ہیں؟ نہیں بلکہ لڑائی کا یہ دور گزر جانے کے بعد پھر اسی قبیلہ کی طرف منہ کرتے ہیں جس سے کبھی منہ نہیں پھیرا تھا اور فرماتے ہیں:

رضاً بقضائک و تسلیماً لامرک و لا معبود سواک یا غیاث المستغیثین۔ اے خدا میں تیری قضا پر راضی اور تیرے امر کے سامنے تسلیم ہوا اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے اے **غیاث المستغیثین۔**

یہ ہے خدائی حماسہ، یہ ہے انسانی حماسہ۔۔۔۔۔

حسینی تحریک، اسلامی معاشرے کو عظمت عطا کرتی ہے:

یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اسْتَجِیبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیکُمْ

ترجمہ: اے ایمان والو! جب اللہ اور اُس کا رسول تمہیں ایمان کی دعوت دیں تو اُن کی دعوت پر لبیک کہو تا کہ حیات ابدی تک پہنچ سکو۔ (انفال: ۲۴)

یہ بات ہم بار بار کہتے ہیں کہ حسین ابن علی علیہ السلام نے جو جان نثاری دکھائی ہے اس سے انہوں نے اسلام کو دوبارہ زندگی بخشی اور اسلام کے درخت کو اپنے خون سے سینچا۔

"اشهد انک قد اقمت الصلوة و اتیت الزکوة و امرت بالمعروف و نهیت عن المنکر و جاهدت فی الله حق جهاده"

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے نماز قائم کی، زکوٰۃ ادا کی، نیک کاموں کا حکم دیا اور برائیوں سے منع کیا، اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جہاد کا حق ادا کیا۔

ہمیں اپنے آپ سے یہ سوال کرنا ضروری ہے کہ حسین بن علی علیہ السلام کی شہادت اور اسلام کے قوت پکڑنے اور اُصول اور فروع دین کے زندہ ہونے میں کیا رابطہ ہے؟ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ

صرف خون بہانے سے ہی ان باتوں کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ اس بنا پر حسین بن علی علیہ السلام کے قیام، تحریک اور شہادت اور ان آثار کے درمیان جو ہم بیان کرتے ہیں، جن کا ہم دعویٰ کرتے ہیں اور جن کی حقیقت کی تاریخ بھی گواہی دیتی ہے کیا رابطہ ہے؟ یہ رابطہ ہم صرف اسی وقت سمجھ سکتے ہیں جب پچھلی دو تقریروں میں بیان کیے ہوئے پورے موضوع پر غور کریں۔

اگر حسین بن علی علیہ السلام کی شہادت صرف ایک الم انگیز واقعہ ہوتا، اگر صرف ایک مصیبت ہوتی، صرف خون ناحق بہایا گیا ہوتا، دوسرے لفظوں میں صرف ایک شخصیت ضائع ہوئی۔ چاہے وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو تو اس سے ایسے نتائج نہ نکلتے۔ حسین بن علی علیہ السلام کے یہ نتائج صرف اس لئے برآمد ہوئے، جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے امام حسین علیہ السلام کی تحریک ایک بہت بڑا اسلامی اور الٰہی حماسہ تھی۔ اسی وجہ سے نہیں کہ یہ داستان اور یہ تاریخ چند ظالموں اور گنہگاروں کی ایک جماعت کی طرف سے ایک مصیبت، ایک گناہ اور ایک شقاوت تھی بلکہ یہ اس شخص کی جانب سے ایک بہت بڑی شجاعت اور مردانگی کا مظاہرہ تھی جس پر مظالم ڈھائے گئے تھے۔

حسین بن علی علیہ السلام کی شہادت نے اسلامی دنیا میں ایک نئی روح پھونکی اور جیسا کہ ہم نے پہلے کہا ہے کہ کسی بات یا تاریخ یا حماسی شخصیت کا اثر اور خاصیت یہ ہوتی ہے کہ روح میں زندگی کی لہر ڈال دیتی ہے۔ حمیت اور غیرت پیدا کر دیتی ہے، مردانگی اور شدت کو جنم دیتی ہے۔ جسموں میں خون کو حرکت اور جوش دیتی ہے۔ جسموں سے سستی اور کاہلی دور کر دیتی ہے اور انہیں چست اور چاق و چوبند بنا دیتی ہے۔ بیشتر خون بہت سے مقامات پر ایسا بہایا جاتا ہے جو صرف خون ریزی ہی کا پہلو رکھتا ہے۔ اس لئے اس کے نتیجے میں لوگ صرف ڈر جاتے ہیں۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ عوام اور قوم کی قوت گھٹ جاتی ہے اور سینوں میں سانسیں گھٹ جاتی ہیں۔

لیکن دنیا میں ایسی شہادتیں بھی ہوئی ہیں جو اپنے پیچھے معاشرے کیلئے روشنی اور پاکیزگی چھوڑ گئی ہیں۔ آپ نے ایک فرد کی حیثیت سے اس بات کو جانچا اور پرکھا ہوگا کہ بعض اعمال انسان کے دل کو مکدر کر دیتے ہیں لیکن دوسرے اعمال ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے انسان کا دل روشن، صاف اور پاک ہو جاتا ہے۔ یہی حال معاشرے کا ہے۔ بعض اجتماعی مظاہر معاشرے کی روح کو تاریک اور مکدر کر دیتے ہیں، معاشرے میں خوف اور رعب بٹھا دیتے ہیں۔ اجتماعی اور کلی غلامی اور قید میں پھنسا دیتے

ہیں لیکن اجتماعی مظاہر کا ایک سلسلہ ایسا بھی ہے جو معاشرے کو صفائی اور روشنی بخشتا ہے، اجتماعی خوف دور کر دیتا ہے، غلامی اور گرفتاری کا احساس ختم کر دیتا ہے اور اسے حوصلہ اور دلیری بخشتا ہے۔

امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد ایسی ہی حالت پیدا ہوگئی، اسلام پر رونق آ گئی۔ معاشرے پر یہ اثر اس وجہ سے پڑا کہ امام حسین علیہ السلام نے اپنے دلیرانہ اور شجاعانہ اعمال سے مسلمان کی روح کو زندہ کر دیا۔ اسلامی معاشرے کی روح پر غلامی اور جبر و قید کے جو جذبات و احساسات حضرت عثمان کے دور کے آخری حصے سے لے کر معاویہ کے پورے عہد میں مسلط اور غالب ہوئے تھے انہیں کمزور کیا، خوف دور کر دیا، غلامی کا احساس زائل کیا اور دوسرے لفظوں میں اسلامی معاشرے کو تشخص عطا کیا اور انہوں نے معاشرے کی نبض پر وہاں انگلی رکھ دی جہاں بعد میں معاشرے نے خود اپنے تشخص کا احساس کر لیا۔ تشخص کے احساس کا مسئلہ بہت اہم ہوتا ہے۔ معاشرہ کیلئے اس سے بڑھ کر کوئی سرمایہ نہیں ہوتا کہ وہ اپنے تشخص کا احساس کرے۔ اپنے میلان کا احساس کرے۔ اپنا ایک آئیڈیل رکھے اور دوسرے سماجوں سے بے نیاز اور مستغنی ہو جائے۔ سماج اپنے بارے میں اس طرح سوچے کہ خود اپنے لئے زندگی کا ایک مستقل فلسفہ اور نظریہ قرار دے لے اور زندگی کے اس مستقل فلسفے اور نظریے پر خود ہی فخر و مباہات کرے۔

اگر کسی سماج نے اپنے اس مزاج ہی کو ہاتھ سے جانے دیا اور یہ احساس نہ کیا کہ وہ خود ایک مستقل فلسفہ رکھتا ہے جس پر اسے تکیہ کرنا چاہیے اور اس کا اپنی زندگی کے مستقل فلسفے پر ایمان نہیں ہے تو وہ سب کچھ کھو بیٹھے گا اور اگر اس کے پاس صرف یہی ایک چیز ہو اور دوسری چیزیں اس سے چھین بھی لیں پھر بھی وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائے گا یعنی وہ بے مثال قوت جو ایک قوم کو دوسری قوم اور ایک فرد کو دوسرے فرد میں جذب ہونے سے روکتی ہے اپنے مزاج اور تشخص کا یہی احساس ہے۔

جرمنوں کی یہ بات مشہور ہے کہ ہم نے دوسری عالمی جنگ میں سوائے ایک چیز کے جو ہماری شخصیت تھی باقی ہر چیز کھو دی اور چونکہ ہم نے اپنی شخصیت (تشخص) نہیں کھوئی، سب چیزیں واپس حاصل کر لیں اور ان کی یہ بات سچ بھی ہے۔ اگر کسی قوم کے پاس سب کچھ ہو لیکن وہ اپنا تشخص کھو بیٹھے تو پھر اس کے پاس کچھ نہیں رہے گا وہ ضرور بالضرور دوسری اقوام میں جذب ہو جائے گی۔ اس خود باختگی (خود کو لٹا بیٹھنے) کی حالت پر سخت افسوس ہے جس میں بدقسمتی سے ہمارا معاشرہ نظر آتا ہے۔

قوموں کی عظمت ان کے استقلال اور خودداری سے ہے:

میں نے علامہ اقبالؒ کی تقریروں میں پڑھا کہ موسولینی نے کہا ہے: انسان کے پاس لوہا ہونا چاہیے جس سے روٹی مل سکے یعنی اگر روزی حاصل کرنا چاہتے ہو تو قوت پیدا کرو لیکن اقبال کہتا ہے: یہ بات صحیح نہیں ہے اگر آپ روٹی چاہتے ہیں تو لوہا بن جایئے، یہ نہیں کہا کہ لوہار کھیں بلکہ لوہا بن جایئے یعنی آپ کی شخصیت فولاد کی طرح مضبوط اور توانا ہونی چاہیے۔ وہ کہتا ہے کہ شخصیت کے مالک بنو، طاقت کا وسیلہ کیوں ڈھونڈو، ہتھیاروں کا وسیلہ کیوں تلاش کرو۔ یہ کیوں کہتے ہو کہ روٹی چاہتے ہو تو ہتھیار رکھو؟ کہو کہ اگر کچھ رکھنا چاہتے ہو تو خود فولا بن جاؤ، خود لوہا بن جاؤ، خود اپنی شخصیت رکھو، خود اپنے اندر سختی پیدا کرو، خود اپنا مزاج رکھو، جب کسی مجبور اور بدبخت قوم کا ایمان اپنے فلسفہ زندگی کو ہاتھ سے جانے دے اور وہ دوسری قوم سے مرعوب ہو جائے تو وہ تمام مسئلوں میں اسی طرح سوچنے لگتی ہے جس طرح دوسرے سوچتے ہیں اور پھر مسائل کا فیصلہ اپنی شخصیت کے لحاظ سے مطلق نہیں کر سکتی۔ وہ ہر بات اس لیے قبول کرے گی کہ یہ فیشن ہے یا اس صدی کی ریت ہے یا امریکی اور یورپی سوسائٹی میں رائج ہے اور کوئی دوسری منطق اس کے پاس نہیں ہوگی۔

ایک جدت پسند ایرانی کی ایک کتاب میں جو بری نہیں ہے میں نے پڑھا تھا کہ جس زمانہ میں میں لندن میں تھا ایک بہت دلچسپ واقعہ پیش آیا تھا وہ یہ تھا کہ ماسکو میں مقیم ایک کسی سابقہ انگلستان کے سفیر کی بیٹی جو یقیناً انگلستان کی بہت معتبر شخصیت تھی ایک کالے پر فریفتہ ہوگئی اور اس نے کالی چمڑی کے باوجود سے بیاہ رچا لیا۔ اس پر انگلستان میں بہت شور وغم مچا کہ ایک گوری لڑکی نے جو انگلستان کی ایک بڑی شخصیت کی بیٹی تھی ایک کالے سے کیوں شادی کی؟ یہ بات مدتوں موضوع سخن بنی رہی تو ایک اخبار نے لکھا کہ یہ بات اتنے شور وغل کے لائق نہیں ہے۔ دنیا مساوات کی طرف جا رہی ہے اور آج کی دنیا مختلف نسلوں میں برابری کی قائل ہے۔ اس کے علاوہ اسلام نے جو دنیا کا ایک بہت بڑا مذہب ہے چودہ سو سال پہلے کالے اور گورے کا فرق ختم کر دیا تھا۔ اس کتاب میں لکھا تھا کہ ایک محفل میں جہاں انگریزوں کی ایک جماعت موجود تھی کچھ ایرانی جوان بھی تھے۔ یہ بات ہو رہی تھی کہ فلاں اخبار نے یہ لکھا ہے اور اسلام سے سند لی ہے کہ اسلام نے چودہ صدی قبل کالوں کی حمایت کی تھی اور ان کو گوروں

کے برابر بتایا ہے۔ایک انگریز بولا ایک گندے مذہب کو ایک گندے شخص کی حمایت کرنی چاہیے۔ پھر لکھا تھا کہ دو ایرانی جوان اس محفل میں تھے۔ بہت افسردہ ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم ایسے دین پر کیوں چلیں جو شرمندگی کا سبب ہو اور پھر انہوں نے اس محفل کا یہ واقعہ بیان کیا کہ ہم اس محفل میں تھے اور لوگوں نے یہ کہا کہ گندے مذہب کو ہی کسی گندی نسل کی حمایت کرنی چاہیے۔ان دونوں جوانوں نے کہا تھا واقعی اسلام یہ فرق کیوں نہیں سمجھتا کہ گورے اور کالے میں فرق ہوتا ہے۔

اسے کہتے ہیں شخصیت کھو بیٹھنا۔ یہ لوگ چونکہ ایسے ماحول میں تھے جس میں اس طرح سوچتے ہیں تو بجائے اس کے کہ استقلال کے ساتھ سوچیں، اس بات کے کہنے والے کا منہ بند کریں اور کہیں کہ تیری بات بالکل لغو اور بیہودہ ہے۔کیا رنگ کا فرق لوگوں کی فضیلت میں فرق کا سبب بن سکتا ہے۔س طرح افسردہ ہو جاتے ہیں اور اپنی شخصیت کھو بیٹھتے ہیں کیونکہ وہ کہتا ہے کہ جب انگریز یوں سوچتا ہے تو یہی بات لازمی طور پر درست ہوگی۔

آپ نے ہندوستانیوں، جاپانیوں اور عربوں کو دیکھا ہوگا وہ بھی ہماری ہی طرح شرق والے ہیں لیکن اس لحاظ سے ہماری طرح نہیں ہیں۔ہم اجنبی لفظوں اور عادتوں کو جس قدر تسلیم کر لیتے ہیں اور کوئی قوم تسلیم نہیں کرتی۔علوم کی تاریخ کی کتابوں میں دی ہوئی تصویروں پر نظر ڈالیے تو ہندوستان کے چوٹی کے دانشمند اور علماء اپنی ہی پگڑی اور لباس میں ملیں گے۔

نہرو جیسا قد آور بڑا سیاستدان اپنی ہندوستانی لباس میں ہی ہر جگہ جاتا تھا۔لباس کی بلندی یا کوتاہی یا سفیدی یا سیاہی کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔البتہ بات صرف اتنی سی ہے کہ جو عالم اپنے سر پر پگڑی رکھتا ہے یا نہرو جو اپنے سفید اور ڈھیلے پاجامے اور مخصوص شیروانی میں ہر جگہ جاتا ہے، دنیا کے تمام لوگوں سے کہنا چاہتا ہے کہ میں ہندوستانی ہوں اور ہندوستانی ہی رہوں گا۔البتہ علم اور صنعت کے معاملے میں بڑے بڑے فلسفیانہ اور دینی عقائد کے بارے میں بھی تعصب نہیں رکھتا۔البتہ قومی رسم و رواج کے معاملے میں جب ہر شخص اپنے رسم و رواج کا پابند ہے تو میں دوسری قوم کا طریقہ کیوں اپناؤں؟۔

اسلام خودداری اور فضیلت کا مکتب:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب کے لوگوں کو کیا دیا؟ ایک ایسا شخص جو حقیقت میں

مفلس اور یتیم تھا اور قوم وقبیلہ جس کا دشمن تھا، ان کو دے بھی کیا سکتا تھا۔ پھر یہ کیسے ہوا کہ انہوں نے انہیں انتہائی پستی سے اُٹھا کر عزت کی بلندیوں پر پہنچا دیا؟ انہوں نے انہیں وہ ایمان دیا جس ایمان نے انہیں تشخص عطا کیا۔ یکا یک اس عرب میں جو گوہ کھاتا تھا، اونٹنی کا دودھ پیتا تھا، لٹیرا تھا، بیٹی کو زندہ دفن کرتا تھا، یہ احساس پیدا ہوگیا کہ مجھے دنیا کو غیر اللہ کی عبادت، اطاعت اور غلامی سے نجات دلانا چاہیے۔ اس نے اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی کہ وہ ماضی کے حالات کا اعتراف کرے بلکہ وہ یہ کہنے میں فخر محسوس کرتا تھا کہ میں ماضی میں بہت حقیر تھا۔ اسی طرح سوچا کرتا تھا۔ میری قوم کا کوئی روشن ماضی نہیں تھا لیکن آج میں اس طرح سوچتا ہوں۔ میرے خیالات آپ سے زیادہ بلند ہیں۔ اسے کہتے ہیں شخصیت (تشخص) کیا کوئی اور کلمہ ایسا ہے جو کلمہ لا الہ الا اللہ سے بڑھ کر انسانی روح کو حماسہ اور تشخص بخشے؟ اللہ کے علاوہ کوئی ہستی ایسی نہیں ہے جس کی عبادت کی جائے، جس کی اطاعت کی جائے اور جس کی پرستش کی جائے۔ ایک آسمانی کرہ، ایک جانور، ایک پتھر، ایک درخت اس قابل کہاں ہوسکتا ہے کہ انسان اس کے آگے اس کی تعظیم میں سر جھکائے۔ میں غیر اللہ کے آگے تعظیم میں سر نہیں جھکاؤں گا۔ میں انصاف کا حمایتی ہوں، میں حق اور احسان کا حامی ہوں، میں فضیلت اور بزرگی کا طرفدار ہوں، اسے کہتے ہیں شخصیت۔

حسین ابن علی علیہ السلام حریت پسندوں اور غیرت مندوں کے آئیڈیل:

امویوں نے یہ کام کیا کہ اسلامی شخصیت کو مسلمانوں کے درمیان سے نکال دیا۔ کوفہ اسلامی فوج کا مرکز تھا اور اگر امام حسین علیہ السلام کوفہ نہ جاتے تو آج دنیا کے تمام مؤرخین ان پر ملامت کرتے اور کہتے کہ عراق نے جو اسلامی فوج کا مرکز تھا آپ کو بلایا تھا، اٹھارہ ہزار لوگوں نے آپ کے نمائندہ کی بیعت کی تھی اور آپ کو بارہ ہزار خطوط روانہ کیے تھے۔ وہاں آپ کیوں نہیں گئے؟ کیا عراق سے بھی بہتر اور بالاتر جگہ ہوسکتی تھی؟ اصل میں کوفہ وہ شہر ہے جو آغاز اسلام میں لڑی جانے والی لڑائیوں کے بعد حضرت عمر کے حکم سے اسلامی فوج کے ذریعے بسایا گیا۔ اس وقت اہل کوفہ اور عراق سے زیادہ بہادر اور جنگجو آدمی نہیں ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہی لوگ جن میں اٹھارہ ہزار بیعت کرنے والے تھے اور بارہ ہزار خطوط لکھے تھے جیسے ہی پسر زیاد نظر آیا سب کے سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ کیوں؟ کیونکہ

زیاد بن ابیہ نے کوفہ میں برسوں حکومت کی تھی۔ اس نے اتنی آنکھیں نکلوائی تھیں، اتنے ہاتھ پاؤں کٹوائے، اتنے پیٹ چاک کیے اور اتنے لوگوں کو جیلوں میں ٹھونس دیا تھا کہ ان لوگوں کو اپنی شخصیت کا احساس ہی بالکل جاتا رہا تھا۔ لہٰذا انہوں نے جب سنا کہ پسر زیاد آ گیا ہے تو بیوی اپنے شوہر کا ہاتھ پکڑ کر مسلم بن عقیل کے سامنے سے گھسیٹ لے گئی، ماں نے اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر، بہن نے اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر اور باپ نے اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر حضرت مسلمؑ سے الگ کر دیا۔ اس میں شک نہیں کہ کوفہ کے لوگ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے پیروکار تھے لہٰذا اس زمانے میں لوگ یہ بھی کہتے تھے :"**قلوبھم معہ و سیوفھم علیہ**" (ان کے دل آپ کے ساتھ اور تلواریں آپ کے خلاف ہیں) کیونکہ امویوں نے مسلمان قوم کی شخصیت کچل ڈالی تھی جس کے بعد کوئی شخص اپنے اندر اسلامی جذبہ نہیں پاتا تھا۔

لیکن اسی کوفہ نے تین سال کے بعد انقلاب برپا کر دیا اور اسی کوفہ سے پانچ ہزار توبہ کرنے والے انسان اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حسین بن علی علیہ السلام کی قبر پر گئے اور وہاں انہوں نے عزاداری کی، روئے اور خدا کی درگاہ میں اپنے کئے ہوئے قصور سے توبہ کی اور کہنے لگے۔ جب تک خون حسینؑ کا بدلہ نہیں لیں گے ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے، یا بدلہ لیں گے یا مارے جائیں گے۔ انہوں نے اسی بات پر عمل کیا اور کربلا کے قاتلوں کو قتل کیا۔ اس تحریک کی ابتداء عاشور کے وقت ہے اور بارہ محرم کی تاریخ سے ہوئی۔ یہ کام کس نے کیا؟ حسین بن علیؑ نے۔ کسی قوم کو تشخص عطا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے عشق اور آئیڈیل دے دیا جائے اور اگر اس کے پاس عشق اور آئیڈیل ہوگا تو چہرے پر الٹے ہوئے گرد و غبار بھی دور کر دے گی اور شخصیت دوبارہ زندہ ہو جائے گی۔ حسین بن علی علیہ السلام اپنی باتوں اور تقریروں میں چونکہ نیکی کا حکم اور بدی کی ممانعت کرتے ہیں ان کی گفتگو یہ ہے:

" و الی الاسلام السلام اذ قد بلیت الامة براع مثل یزید

(اسلام کا خدا حافظ ہو اگر امت کا سربراہ یزید جیسا ہو جائے)

" انی لم اخرج اشراًولا بطراً ولا مفسداً ولا ظالماً وانما خرجت لطلب الاصلاح فی امة جدی"۔

میں فساد، تکبر، خونریزی اور ظلم کیلئے نہیں نکلا بلکہ میں اپنے نانا کی اُمت کی

اصلاح کیلئے نکلا ہوں۔

بیس تیس سال کے بعد جب یہ باتیں بھلائی جا چکی تھیں، حسین بن علی علیہ السلام ایک مصلح اور ایک اصلاح طلب شخص کے نام سے جسے مسلمان قوم کی اصلاح کرنی چاہیے اُٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے لوگوں کو عشق اور آئیڈیل عطا کیا۔ کسی قوم کے حماسہ (شخصیت) کے زندہ ہونے کا پہلا مرحلہ یہی ہوتا ہے۔ قوم کی شخصیت ایسی ہوتی ہے جس میں استغناء اور بے نیازی کا جذبہ پایا جائے۔ یہ وہ سبق ہیں جو حسین بن علی علیہ السلام کے قیام سے سیکھنا چاہیے۔ آپ نے لوگوں کو استغناء اور بے نیازی کا جذبہ عطا کیا۔ جس دن آپ مکہ سے سفر کرنے کو ہیں آپ اپنے قیام کو ذرا سا بھی مشروط نہیں کرتے اور یوں فرماتے ہیں: "خط الموت علی ولد آدم" اور تقریر کے آخر میں فرماتے ہیں:

"فمن کان فینا باذلاً مهجته موطناً علی لقاء الله نفسه فلیر حل معنا فاننی راحل مصبحاً انشاء الله تعالیٰ"۔

جو کوئی جان دینے اور ہمارے لئے اپنا خون دل ہمارے طریقہ پر بہانے کو تیار ہے اور جس نے خدا سے ملاقات کا تہیہ کر لیا ہے کل صبح میرے ساتھ چلے، کیوں کہ میں انشاء اللہ تعالیٰ صبح جا رہا ہوں۔

اس کے علاوہ کوئی بات نہیں ہے۔ دنیا میں اس استغناء کی مثال نہیں ملتی۔

شبِ عاشور اور امام کا استغناء و بے نیازی:

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ عاشور کی رات ہے، اپنے اصحاب اور اہلبیتؑ کو اکٹھا کرتے ہیں۔ پہلے ان کی تعریف کر کے شکریہ ادا کرتے ہیں، پھر ان سے فرماتے ہیں: تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں تم سب کا ممنون اور شکر گزار ہوں لیکن یہ بھی سمجھ لو کہ دشمنوں کو تم سے کوئی غرض یا تعلق نہیں ہے۔ اگر تم جانا بھی چاہو گے تو وہ تمہیں روکیں گے نہیں۔ چونکہ تم نے میری بیعت کی ہے میں نے تمہارے کندھوں پر سے اپنی بیعت کا بوجھ اُٹھا لیا ہے اور اب تم میری بیعت کے بھی پابند نہیں ہو۔ جو جانا چاہتا ہے وہ آزاد ہے۔ حسین بن علی علیہ السلام اور اہلبیتؑ اور اصحاب سے بھی، جن کے بارے میں کہہ چکے ہیں کہ ان سے بہتر اور باوفا لوگ میں نے نہیں دیکھے، اس قدر استغناء ظاہر کرتے ہیں اور ہرگز ہرگز اس قسم کی باتیں نہیں

کرتے کہ مجھے اکیلا نہ چھوڑو، میں پردیسی ہوں، بے سہارا ہوں لیکن دین خدا کی طرف سے عائد فریضہ ختم نہیں کرتے۔ اس لئے جن لوگوں سے اتمام حجت کر رہے تھے اگر ان میں رہنے کی خواہش نہ پاتے تو ان سے ضرور کہتے کہ اس منظر سے دور چلے جاؤ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ تم عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جاؤ۔ کیونکہ اگر میں کسی سے مدد چاہوں اور وہ میری مدد طلبی کی آواز سن کر بھی میری مدد نہ کرے تو خدا اسے جہنم کے عذاب میں مبتلا کرے گا۔ بے نیازی کا یہ سبق چھوٹا سبق نہیں تھا۔ یہی بے نیازی تھا جس نے بعد میں بے نیازی کی ذہنیت کو جنم دیا اور پھر کتنے ہی قیام اور تحریکیں وجود میں آئیں۔

حسین بن علی علیہ السلام نے لوگوں کو غیرت کا سبق دیا۔ لوگوں کو تحمل اور بردباری کا سبق دیا۔ لوگوں کو مصیبتیں اور سختیاں جھیلنے کا سبق دیا۔ یہ مسلمان قوم کیلئے بہت بڑے سبق تھے۔ پس جو لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ حسین بن علی علیہ السلام نے کیا کیا اور کیسے ہوا جو دین اسلام زندہ ہو گیا؟ اس کا جواب یہی ہے کہ حسین بن علی علیہ السلام نے اس میں تازہ روح پھونکی، خونوں میں جوش پیدا کیا، غیرتوں کو ابھارا، لوگوں کو عشق اور آئیڈیل عطا کیا، لوگوں میں بے نیازی کا جذبہ بیدار کیا، لوگوں کو صبر، تحمل، بردباری اور مقابلہ اور مصیبتوں کے مقابلہ میں ثابت قدمی کا سبق دیا ان کا خوف دور کیا۔ وہی لوگ جو اس قدر ڈرتے تھے، بہادر اور دلیر لوگوں کی جماعت میں تبدیل ہو گئے۔

یہ ایک مشہور واقعہ ہے۔ کہتے ہیں کہ نادر شاہ نے اپنی ایک لڑائی میں ایک سپاہی کو غیر معمولی طور پر دلیر اور بہادر پایا اور اس کی دلیری اور شجاعت پر تعجب کیا۔ ایک دن اسے طلب کیا اور کہا کہ تو جو اس قدر شجاع اور دلیر ہے اس دن کہاں تھا جب افغانوں نے حملہ کر کے اصفہان میں غارت گری کی تھی؟ وہ بولا میں اصفہان میں ہی تھا۔ اس نے کہا تو اصفہان میں ہی تھا، پھر بھی افغانی چڑھ آئے اور انہوں نے قتل و غارت کی؟ وہ بولا ہاں میں تھا، نادر نے پوچھا پھر اس روز تیری بہادری کہاں چلی گئی تھی؟ وہ بولا اس دن نادر نہیں تھا، مجھ میں آج جو بہادری ہے وہ نادر کی روح کی بدولت ہے، میں جب آپ کو دیکھتا ہوں تو میری غیرت کو جوش آجاتا ہے اور میں بہادر اور دلیر ہو جاتا ہوں۔

میں جو اصرار کرتا ہوں کہ حسینی حماسہ اور کربلا اور عاشور کے سانحے کو زیادہ تر اسی پہلو سے دیکھنا چاہیے کہ یہ اپنے اندر بڑے اسباق لئے ہوئے ہے کو یہ قیام ہمیں سکھا سکتا ہے۔ میں مرثیے اور سوگ کا مخالف نہیں ہوں لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ سوگ اور مرثیہ اس شکل میں ہو کہ ساتھ ساتھ ہمارے وجود میں

امام حسین علیہ السلام کی شجاعت کی حس کو متحرک اور زندہ کرے۔ امام حسین علیہ السلام کی ذات آج بھی اجتماعی حوالے سے ایک ایسا موضوع ہے کہ جس کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو لوگ آج بھی سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں، اُس زمانے میں امام کی ذات ایک ایسا موضوع ہی تھی، جو شخص ظلم کے مقابلے پر کھڑا ہونا چاہتا تھا اس کا نعرہ "یا لثارات الحسین" ہوتا تھا۔ آج بھی آپ کی ذات ایک ایسا موضوع ہے جس کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے کی ضرورت ہے تاکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیلئے، نماز قائم کرنے کیلئے، اسلام کو زندہ کرنے کیلئے، ہمارے وجود میں اسلام کے عالی جذبات اور احساسات زندہ ہوجائیں۔

اگرچہ اس بارے میں مجھے اور بھی باتیں عرض کرنا ہیں لیکن میں اپنے معروضات اسی مقام پر ختم کرتا ہوں اور اس آیت کی طرف پلٹتا ہوں جو میں نے ابتداء میں تلاوت کی تھی۔ یہ عجیب آیت ہے:

یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اسْتَجِیبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیکُمْ

اے لوگو! پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دعوت قبول کرو، وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں زندہ کریں، قوم کی زندگی زیادہ دولت رکھنے میں نہیں ہے۔ علم میں بھی نہیں ہے، علم بھی اکیلا کافی نہیں ہوتا جو قوم کو زندہ رکھ سکے۔ بلکہ قوم کی زندگی اس میں ہے کہ وہ قوم اپنے اندر تشخص محسوس کرے۔ دنیا کی بہت سی قومیں شخصیت نہیں رکھتیں اور بہت سی جاہل قوموں نے اپنا تشخص برقرار رکھا ہے۔ اگر الجزائری قوم ڈیڑھ سو سال کی لڑائی کے بعد فرانس کے سامراج کو گھٹنے ٹیک دینے پر مجبور کرسکی اور اپنے آپ کو قائم رکھ سکی ہے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس قوم کا ایک تشخص تھا۔ اپنے مزاج کا ایک احساس تھا، اگر مشرق بعید میں دوسری قوم دنیا کی سب سے قوی قوم سے لڑسکتی ہے تو کیوں لڑسکتی ہے؟ کیا اس کے افراد کی تعداد یا اس کی دولت لڑتی ہے؟ ہرگز نہیں! اس قوم کی شخصیت اور مزاج کا احساس لڑتا ہے۔ وہ کہتی ہے، میں تجھے اپنا آقا تسلیم نہیں کرسکتی۔ میں زندہ ہوں تو اپنے پیروں پر کھڑے ہوکر اور کوئی مجھ پر حکومت نہ کرے۔ ورنہ میں باقی ہی نہ رہوں، مٹ جاؤں۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا حسینی حماسہ کی عظیم تجلّی:

حسینی حماسہ میں جس نے سب سے زیادہ یہ سبق سیکھا اور جس کی پاکیزہ روح پر حسینی عکس سب

سے زیادہ پڑا وہ آپ کی عظیم بہن حضرت زینب سلام اللہ علیہا تھیں ۔ درحقیقت یہ عجیب موضوع ہے۔ حضرت زینبؑ کی اس عظمت کے باوجود جو انہیں پہلے سے حاصل تھی اور جو انہوں نے حضرت زہراؑ کے آغوش اور حضرت علی علیہ السلام کی تربیت سے حاصل کی تھی ۔ سانحہ کربلا کے بعد کی زینبؑ سانحہ کربلا کے پہلے کی زینبؑ سے مختلف ہیں ۔ یعنی کربلا کے بعد کی زینب کہیں بڑی شخصیت اور عظمت کی مالک ہیں۔

ہم عاشور کی شب میں دیکھتے ہیں کہ ایک دو بار تو حضرت زینبؑ اپنے گریہ پر قابو نہیں پاسکیں۔ ایک بار تو اتنا روتی ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کے دامن پر ہی بے ہوش ہوجاتی ہیں اور امام حسین علیہ السلام اپنی باتوں سے جناب زینبؑ کو تسلی اور دلاسا دیتے ہیں ۔ " **لا یذھبن حلمک الشیطان** " میری پیاری بہن ! ایسا نہ ہو کہ تم پر شیطانی وسوسے غالب آجائیں اور تمہاری برداشت ختم کردیں ۔ تمہارا صبر اور تحمل ختم کردیں ۔ جس وقت امام حسین علیہ السلام ، جناب زینبؑ سے فرماتے ہیں کہ تم ایسا کیوں کرتی ہو کیا تم نے میرے جد کی موت نہیں دیکھی ؟ میرے جد مجھ سے بہتر تھے ، میرے والد مجھ سے بہتر تھے ، اسی طرح میرے بھائی اور میری والدہ گرامی مجھ سے بہتر تھیں تو جناب زینبؑ امام حسین علیہ السلام سے یوں کہتی ہیں : بھیا ! جب وہ سب چلے گئے تھے تو آپ میری آخری پناہ گاہ تھے ، اب آپ کے جانے کے بعدی میری کوئی پناہ گاہ نہیں رہے گی لیکن جیسے ہی عاشور کا دن ڈھلتا ہے ، جناب زینبؑ امام حسین علیہ السلام کو ایک طاقتور روحانیت کے ساتھ توانا اور پورے پروگرام پر عامل دیکھتی ہیں تو حضرت زینبؑ اس قدر بدل جاتی ہیں پھر ان کے سامنے کسی کی ادنیٰ ترین شخصیت بھی باقی نہیں رہتی ۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا : ہم بارہ آدمی تھے اور ہم بارہ کے بارہ آدمیوں کو ایک ہی زنجیر میں باندھ دیا تھا جس کا ایک سرا میرے بازو میں اور دوسرا سرا میری پھوپھی زینبؑ کے بازو میں بندھا تھا۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا دربار یزید میں جلال :

کہتے ہیں کہ شام میں قیدی صفر کی دوسری تاریخ کو پہنچے ہیں ۔ اس حساب سے جناب زینب کی قید کو بائیس دن گذر چکے ہیں ۔ انہوں نے بائیس دن کی مسلسل تکلیف اُٹھائی ہے ۔ اس حالت میں ان کو یزید بن معاویہ کے دربار میں لے جاتے ہیں ۔ یزید کا کاخ اخضر یعنی سبز محل جو معاویہ نے شام میں بنوایا

تھا اتنا شاندار تھا کہ ہر شخص اس دربار میں ٹھاٹ بھاٹ، رعب اور دبدبے دیکھ کر مبہوت ہوجاتا تھا۔ بعضوں نے لکھا ہے کہ لوگ سات بڑے بڑے ہال سے گزر کر اس آخری ہال تک پہنچ پاتے تھے۔ جس میں یزید ایک سجے ہوئے اور جڑاؤ تخت پر بیٹھا ہوا تھا اور تمام امراء و روساء اور غیر ملکوں کے بڑے بڑے ایلچی بھی سونے یا چاندی کی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان قیدیوں کو ایسے حالات اور ماحول میں وہاں لے جاتے ہیں۔ قیدی، دکھیا اور دکھ کی ماری جناب زینبؑ کی روح میں اس وقت ایسا طوفان اُٹھا اور انہوں نے لوگوں میں وہ ہیجان پیدا کر دیا کہ یزید جو فصاحت و بلاغت میں مشہور تھا اس کی سٹی گم ہوگئی اور زیر لب ابن زبعری کے اشعار گنگنا رہا تھا اور اس موقع پر جو اسے نصیب ہوا تھا فخر کر رہا تھا کہ جناب زینبؑ کی آواز بلند ہوتی ہے:

اظننت یا یزید حیث اخذت علینا اقطار الارض و افاق السماء فاصبحنا نساق کما تساق الاساری ان بنا علی اللہ ھوانا و بک علیہ کرامتہ۔ اے یزید! تو نے اپنے دفاع میں یہ ہوا بھر لی ہے "**شمخت بانفک**" تو سوچتا ہے کہ آج جو تو نے ہمیں قید کر لیا ہے اور تو نے ہم پر زمین کی تمام وسعتیں تنگ کر دی ہیں۔ ہم تیرے نوکروں کے قبضے میں ہیں تو گویا تیرے لیے یہ خدا کی طرف سے ایک نعمت اور بخشش ہے؟ خدا کی قسم تو اس وقت میری نظر میں بہت ہی چھوٹا، حقیر اور بہت کمینہ ہے اور میں تیری ذرہ برابر شخصیت کی بھی قائل نہیں ہوں۔ آپ لوگ سمجھ لیجئے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایمان اور روحانی شخصیت کے علاوہ اپنی ہر چیز لٹا دی ہے۔ اس وقت آپ یہ امید نہ کریں کہ جناب زینبؑ کی شخصیت کی مانند کوئی اور شخصیت ایسا حماسہ پیدا کر دے گی اور شام میں ہل چل مچا دے گی؟ اس طرح کی ہل چل جیسا کہ انقلاب وجود میں لاتا ہے۔

یزید مجبور ہو گیا کہ اسی ملک شام میں وہ اپنا رویہ بدل ڈالے اور قیدیوں کو عزت کے ساتھ مدینہ بھیج دے۔ پھر اس عمل اور اس سانحے سے اپنی لاتعلقی ظاہر کرے اور کہے خدا ابن زیاد پر لعنت کرے، میں نے یہ حکم نہیں دیا تھا، اس نے اپنے آپ ایسی حرکت کی۔ یہ حرکت کس نے کی ہے؟ زینبؑ نے یہ کام کیا کہ اپنے آخری جملوں میں یوں فرمایا:

"**یا یزید کد کیدک و اسع سعیک ناصب جھدک فواللہ لا تمحو ذکرنا و لا تمیت و حینا**" زینب سلام اللہ علیہا اس شخص سے خطاب کرتی ہیں جسے لوگ ہزار خوف اور لرزشوں کے

ساتھ "یا امیر المومنین" کہتے ہیں کہ: اے یزید! میں تجھ سے کہتی ہوں کہ تو جو چال چلنا چاہے چل اور جو کام کرنا چاہے کر لے لیکن یقین رکھ کہ اگر تو یہ چاہے کہ ہمارا نام دنیا سے مٹا دے تو ہمارا نام مٹنے والا نہیں ہے اور جو مٹنے اور فنا ہونے والا ہے وہ تو ہے۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے اس دربار میں وہ خطبہ دیا کہ یزید خاموش ہو گیا اور اس لعین اور شقی کا سارا وجود ایک دم غصے میں آ گیا، اس نے جناب زینبؑ کا دل جلانے اور زبان بند کرانے کیلئے اور اس لئے جناب زینبؑ بے چین ہو جائیں، نہایت بزدلی کا کام کیا اور اپنی بید کی چھڑی سے حضرت اباعبداللہ کے ہونٹوں اور دندان کو چھیڑا۔

لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم و صل اللہ علیٰ محمد و آلہ الطاہرین

سوالات

۱۔ امام حسین علیہ السلام کی شخصیت میں وہ کونسی خصوصیت ہے جو آپ کی شخصیت کو باقی تاریخی آئیڈیل شخصیات سے نمایاں کرتی ہے؟

۲۔ آیا واقعہ عاشورا فقط ایک المیہ ہے یا سبق آموز وعبرت انگیز داستان؟

۳۔ ہمیں عزاداری سید الشہداءؑ میں مظلومیت وگریہ وزاری کے پہلو کے ساتھ ساتھ واقعہ عاشورا کے کس پہلو کی طرف زیادہ توجہ دینی چاہیے؟

۴۔ حسینی تحریک اسلامی معاشرے کو کس طرح عظمت عطا کرتی ہے؟

۵۔ ایک مقدس حماسہ میں کونسی خصوصیات پائی جاتی ہیں؟

۶۔ شہادت کی حقیقت کیا ہے؟

۷۔ حسینی تحریک نے اسلامی معاشرے کو کس طرح عزت وتکریم عطا کی؟

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

" خط الموت علی ولد آدم مخطا لقلادة علی جید الفتاة و ما اولهنی الیٰ اسلافی اشتیاق یعقوب الی یوسف "۔ (موت اولاد آدمؑ کیلئے اسی طرح زینت ہے جیسے عورت کیلئے گلوبند اور میں اپنے اسلاف سے ملنے کا اسی طرح آرزومند ہوں جیسے یعقوبؑ، یوسفؑ سے ملاقات کے خواہاں تھے)

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

"موت فی عزّ خیر من حیاۃ فی ذل" (عزت کی موت، ذلت کی موت سے بہتر ہے)

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

"انی ماخرجت اشرا ولا بطرا ولا مفسدا ولا ظالما انما خرجت لطلب الاصلاح فی امۃ جدی ارید ان امر بالمعروف وانھی عن المنکر واسیر بسیرۃ جدی وابی علی ابن ابی طالب علیہ السلام"

میں کوئی جاہ طلبی کے لئے نہیں نکلا، منصب اور دولت کا طلبگار بن کر نہیں نکلا، فساد کرنے کیلئے نہیں نکلا، نہ ظلم وستم کرنے نکلا ہوں بلکہ میں اپنی جد کی امت کی اصلاح کیلئے نکلا ہوں، میں نے امر بالمعروف اور نہی عن لمنکر کیلئے قیام کیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اپنے جد (رسول اللہ) اور اپنے بابا علی ابن ابی طالب کی سیرت پر عمل پیرا ہوں۔

حضرت زینبؑ نے بھی یزید سے مخاطب ہوکر فرمایا:

" فکد کیدک واسع سعیک ناصب جھدک فواللہ لاتمحوا ذکرنا ولاتمیت وحینا"

اے یزید! میں تجھ سے کہتی ہوں کہ تو جو چال چلنا چاہے چل اور جو کام کرنا چاہے کر لے لیکن یقین رکھ کہ اگر تو یہ چاہے کہ ہمارا نام دنیا سے مٹا دے تو ہمارا نام مٹنے والا نہیں ہے۔